ماہنامہ

فیصل آباد
پاکستان

حِلّیّۃ

شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ بمطابق جولائی/اگست 2009ء



قادیانیوں سے ہمدردی! چہ معنی دارد

رئیس الاحرارؒ اور قائداعظم پاکستان مرحوم میں مکاتبت

انبیاء کا معلم رب کائنات

زیر ادارت

چیف مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

ایسا ممکن نہیں! ایسا ممکن نہیں

تجھ سا خیر البشر ہو جہاں میں کہیں
ایسا ممکن نہیں، ایسا ممکن نہیں!

ہوں رسالت میں ہمسر ترے مرسلیں
ایسا ممکن نہیں، ایسا ممکن نہیں!

رحمتِ دو جہاں ہے یہ ہستی تری
تا قیامت ہے ساری یہ بستی تری

کوئی تجھ سا جہاں بھر میں ہو نازنیں
ایسا ممکن نہیں، ایسا ممکن نہیں!

نام تجھ کو محمدؐ خدا نے دیا
دونوں عالم میں محمود تجھ کو کیا

تجھ سے منصب میں ہو کوئی افضل کہیں
ایسا ممکن نہیں، ایسا ممکن نہیں!

یہ زمیں یہ زماں، برگ و غنچہ و گل
سب ثنا خواں ہیں تقدیسِ ختم الرُسُل

کوئی انسان تجھ سا ہو کامل تریں
ایسا ممکن نہیں، ایسا ممکن نہیں!

عشق کی منزلیں طے ہے کرتا وہی
جس کو ہو بس تری ذات سے آگہی

چھوڑ کر تیرے در کو وہ جائے کہیں
ایسا ممکن نہیں، ایسا ممکن نہیں!

منزلیں عشق کی ساری آساں ہوئیں
جب سے تیری ادائیں ہیں ایماں ہوئیں

بعد تیرے کسی پہ ہو میرا یقیں
ایسا ممکن نہیں، ایسا ممکن نہیں!

تیری صورت ہے حُسنِ خدائی ہوئی
تیری خِلقت خدا آشنائی ہوئی

تیرے انفاس سی ہو کہیں یاسمیں
ایسا ممکن نہیں، ایسا ممکن نہیں!

تیرے ختم نبوت کے اعزاز کا
سارے عالم میں ہر سُو ہے چرچا ہوا

بعد تیرے بھی آئے خدا کا امیں
ایسا ممکن نہیں، ایسا ممکن نہیں!

تیرے لطف و کرم کی ہو مجھ پہ نظر
روزِ محشر ہو تیری شفاعت اگر

خُلد سے دور ہو پھر حبیبؔ حزیں
ایسا ممکن نہیں، ایسا ممکن نہیں!

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ ملّیہ فیصل آباد پاکستان

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ جلد نمبر 5

مطابق

جولائی / اگست 2009ء شمارہ نمبر 8

فہرست مضامین

قادیانیوں سے ہمدردی! چہ معنی دارد
ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی 2

رئیس الاحرار اور قائد اعظم پاکستان مرحوم میں مکاتبت 16
ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

شب برأت مولوی محمد انس 21

عقیدۂ توحید تقاضائے فطرت مولانا عبداللہ سلیم صاحب 26

انبیاء کا معلم رب کائنات مولانا محمد راشد صاحب گورکھپوری 38

اندر کے لوگ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صاحب 45

بیاد
حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض
حضرت سید نفیس الحسینی
رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر
جمیل الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر
جواد الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 20 روپے پاکستان میں سالانہ 200 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 40 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے
جامعہ ملّیہ اسلامیہ
محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد
041-8711569

ناشر ...... حبیب الرحمٰن لدھیانوی مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد
Decl No. 3483-85

کلمة الحبیب

قادیانیوں سے ہمدردی! چہ معنی دارد

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی



الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

گزشتہ چند ماہ سے اخباری میڈیا میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ ان میں کچھ ایسے بیانات اور مضامین شائع ہونا شروع ہوگئے ہیں جن میں بیان دینے والے اور لکھنے والے اچانک قادیانیوں کے ہمدرد بن کر ان پر لگائی گئی پابندیوں کے خلاف آواز اٹھارہے ہیں۔ کچھ لوگ تو معلومات نہ ہونے کی بناپر اس کام پر لگادیئے گئے ہیں اور کچھ لوگ جان بوجھ کر اس مسئلہ کو اچھال رہے ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اپنے آپ کو سیکولرازم کا حامی قرار دیتے ہیں۔

سب سے پہلے اس سلسلے میں بیان دینے کی ابتدا برطانیہ کی کوکھ میں پلنے والے ایم۔کیو۔ایم۔ کے سربراہ الطاف حسین نے سندھ میں ایک قادیانی مربی کی ہلاکت کے بہانے سے شروع کی۔ حالانکہ اس کا قتل ذاتی دشمنی کا شاخسانہ تھا۔ چونکہ ایم۔کیو۔ایم۔ اور قادیانیوں کی سرپرستی باقاعدہ برطانیہ کی طرف سے ہورہی ہے اس لیئے الطاف حسین سے کسی نیکی کی امید نہیں ہے۔ وہ اپنے کام پر لگے ہوئے ہیں جو کہ ان کے آقا نے ان کے ذمہ لگایا ہوا ہے۔

البتہ مضامین کی شکل میں اس سلسلہ میں ابتدائی مضمون محترمہ زاہدہ حنا صاحبہ کا روزنامہ ایکسپریس میں "ابن رشد سے ڈاکٹر عبدالسلام تک" کے عنوان سے شائع ہوا جس میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے ساتھ زیادتی کا ذکر بایں معنی تھا کہ ایک مسلم سائنسدان کے ساتھ اس کے عقیدہ سے اختلاف کی بنیاد پر اس کے ساتھ زیادتی کی گئی، اس کو مرنے کے بعد وہ مقام نہیں دیا گیا جو کہ اس کا حق تھا۔ اس پر میں نے ان کو ایک وضاحتی تحریر ای میل کی مگر ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں شائع ہوا۔ اسی طرح روزنامہ ایکسپریس میں پاکستان کے لیئے خدمات انجام دینے والے اشخاص کا تعارف ان کی تصاویر کے ساتھ شائع کیا گیا، جس میں انہوں نے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو مسلمان لکھا۔ اس پر

جب کچھ لوگوں نے ان کو متوجہ کیا تو انہوں نے معذرت کر لی۔ یہ بھی ایک طریقہ واردات ہے کہ پہلے قادیانیوں کو مسلمان لکھ دیا جائے اور جب اس پر اعتراض ہو تو چھوٹی سی ایک کالمی سرخی جو کہ اندر کے صفحہ پر ہو اور جس کو پڑھا نہ جا سکے معذرت اور تصحیح کے الفاظ شائع کر دیئے جائیں۔ اس معذرت کے باوجود پھر کچھ عرصے کے بعد روزنامہ ایکسپریس راولپنڈی زون کے ایڈیٹر تنویر قیصر شاہد صاحب نے مذہبی انتہا پسندوں کے خلاف مضمون میں ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کو مذہبی انتہا پسندوں کا جبر قرار دیا۔ پھر اچانک روزنامہ جنگ میں نذیر ناجی صاحب (جن کا بذات خود یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے ۱۹۵۳ء میں قادیانیت کے خلاف تحریک ختم نبوت میں جیل بھی کاٹی ہے) نے قادیانیت کی مظلومیت کا رونا رویا۔ اس پر جب کچھ حضرات کا ردعمل سامنے آیا تو نذیر ناجی صاحب نے تاویل کر کے اس کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے روزنامہ جنگ میں ارشاد احمد حقانی صاحب کے ایک کالم میں کسی رضیہ فتح خان صاحب کا مضمون ''قومی ریاست کا مذہبی ریاست تک سفر'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس میں انہوں نے ملائیت کے خلاف جتنا ہو سکتا تھا زہر اگلا۔ اسی کے ضمن میں انہوں نے مسئلہ قادیانیت پر تفصیلی بحث کر کے قادیانیت کی مظلومیت کا حق ادا کیا۔ اس پر میں نے ارشاد احمد حقانی صاحب کو ایک وضاحتی تحریر لکھی تاکہ وہ لوگ جو رضیہ فتح خان کی اس تحریر سے کسی شش و پنج میں مبتلا ہوئے ہیں یا ان کی معلومات ناقص ہیں تو ان کو اس تحریر کی اصلیت کا پتہ چل جائے۔ مگر ارشاد احمد حقانی صاحب نے میری وہ تحریر شائع نہیں کی۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری نرمی سے فائدہ اٹھا کر ملک میں قادیانیت نے ایک دفعہ پھر نئے سرے سے پنجے گاڑنا شروع کر دیئے ہیں۔ اخباری میڈیا میں لکھنے والوں کو یا تو ان کی ناقص معلومات کا فائدہ اٹھا کر یا ان اخباری کالم نگاروں کی خطیر مالی خدمت کر کے ان کو اس کام پر لگا دیا ہے۔ تاکہ آگے چل کر ان تحریرات سے فائدہ اٹھا کر ۱۹۷۴ء میں کی گئی اس آئینی ترمیم کو ختم کرایا جا سکے جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے۔

میرا چونکہ کبھی کبھار امریکہ جانا ہوتا ہے ایک دفعہ نیویارک میں روزنامہ جنگ کے نمائندے عظیم، ایم، میاں ''جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ قادیانی ہیں اگرچہ وہ اس سے انکاری ہیں'' سے ایک مشہور پاکستانی ڈاکٹر رفیق جان (جن کا تعلق ضلع ہنگو صوبہ سرحد سے ہے) کے پاس ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا تھا کہ عنقریب اقوام متحدہ میں ایک قرارداد لائی جا رہی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جو ممالک کسی بھی مذہب کے لوگوں پر ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگائیں گے ان کو اقوام متحدہ سے

امداد نہیں دی جائے گی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس میں قادیانیوں پر پاکستان میں لگائی گئی پابندیاں سر فہرست ہونگی۔ اگرچہ اس بات کو کئی سال گذر چکے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ وقت آ رہا ہے جس میں قادیانیوں سے ہمدردی کی جائے گی۔

فی الحال میں ان باتوں کے متعلق کچھ عرض کرونگا جو کہ ارشاد احمد حقانی صاحب کے کالم میں مورخہ ۲۷ جون ۱۹۹۹ء کو کسی ربیعہ فتح خان صاحب نے لکھی ہیں۔ اور میں نے جوابا ارشاد احمد حقانی صاحب کو جو تحریر لکھی مگر انہوں نے اس کو شائع نہیں کیا وہ یہاں درج کر رہا ہوں۔

آپ کے کالم مورخہ ۲۷ جون ۱۹۹۹ء میں کسی ربیعہ فتح خان صاحب کا خط بعنوان ”قومی ریاست کا مذہبی ریاست تک سفر“ پڑھا۔ اس میں موصوف نے پاکستان کو سیکولر ریاست ثابت کرنے کے لیے دلائل دیئے ہیں۔ جبکہ وہ دلائل کی بجائے عورتوں کی طرح کوسنے زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ تاریخ دانی کا دعویٰ ہے مگر اس قسم کی دانش ان کے قریب سے بھی گزری نہیں لگتی۔ ان کے قلم کی ساری جوہر افشانیاں ملاں دشمنی کی آڑ لے کر اس مملکت خداداد کی نظریاتی بنیادوں کو نہ صرف کمزور کرنا ہے بلکہ ان کو جڑ سے اکھاڑ کر نئے سرے سے سیکولرازم کی بنیاد ڈال کر اس کی آبیاری کرنا ہے۔ اور اپنے تئیں لوگوں کو تاریخ کے حوالے دیکر اس سیکولر ریاست کو مذہبی ریاست کی طرف دھکیلنے کی سازش کا ذکر کیا ہے۔ اس کے متعلق آپ جیسے متدین اہل علم زیادہ وسیع نظر رکھتے ہیں۔ موصوف نے مذہب کو ذاتی معاملہ قرار دے کر نفاذ اسلام کو مملکت کے امور سے دور رکھنے پر زور دیا ہے۔ جس میں انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ ہر مملکت میں ملحد لوگ بھی ہوتے ہیں اس لیے مذہبی حکومت نہیں ہونی چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس جملے سے موصوف نے اپنا مذہب بیان کر دیا ہے۔ میں ان باتوں پر ان شاء اللہ کسی دوسری مجلس میں مفصل لکھوں گا۔ اگر آپ کے کالم میں وسعت ہوئی تو آپ کے پاس روانہ کر دوں گا۔ میں اس وقت انہی کی تحریر میں جس بات پر زیادہ زور دیا گیا ہے ”یعنی مسئلہ قادیانیت“ اس پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس سے موصوف کی تحریر کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ربیعہ صاحب نے اس میں سب سے زیادہ قادیانیت کی مظلومیت کا رونا رویا ہے۔ موصوف نے ”ملائیت“ کی آڑ لے کر اپنے قلمی جوہر دکھائے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ اپنے آپ کو تاریخ میں بالغ نظر ظاہر کیا ہے۔ جبکہ میرا اندازہ ہے موصوف کی اس سلسلہ میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

آجکل قادیانی نئے زاویے سے اپنے آپ کو اجاگر کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ملک میں ہنگامی حالات اور آپس کے فرقہ وارانہ فسادات کے رنگ کو دیکھ کر اپنے لیے لکھنے والوں

میں سے ہمدرد تلاش کر کے ان سے مضامین لکھوا رہے ہیں۔ اس سے پہلے بھی کچھ کالم نگاروں نے یہی کچھ کیا ہے۔

قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے پارلیمانی فیصلے کو (جو کہ ۱۹۷۴ء میں متفقہ طور پر ہوا تھا) کو تقریباً پینتیس برس ہونے کو ہیں۔ اس دوران نئی نسل آ چکی ہے جس کو حالات کی پوری خبر نہیں ہے یا جن لوگوں کو علم بھی ہے مگر وہ لوگ اس طرف متوجہ نہیں ہیں اس لیے قادیانی نئی نسل کی بے خبری اور پرانے لوگوں کے نسیان کی بنا پر ایسے لوگوں سے کام لے رہے ہیں۔ چونکہ یہ باتیں آپ کے سنجیدہ کالم میں شائع ہوئی ہیں اور اکثر لوگ آپ کے اس سنجیدہ کالم کو حجت کے طور پر تسلیم کرتے ہیں، جس کی وجہ سے سنجیدہ لوگ گمراہی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ آپ کے ذریعہ موصوف کی تاریخ دانی کی اصلیت لوگوں پر ظاہر کر دی جائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ موصوف کو بھی ان باتوں کا صحیح علم نہ ہو میری اس تحریر سے موصوف کو قادیانی مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

رعیہ صاحب نے قادیانی مسئلہ میں چند باتیں لکھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ قادیانیوں پر کفر کا فتویٰ صرف مولویوں نے دیا اس ثواب میں لبرل مسلمان شامل نہیں۔ دوسرے یہ کہ قادیانی مسئلہ جیسے پاکستان بننے کے بعد ہی اٹھایا گیا تھا اس سے پہلے نہیں تھا۔ تیسرے یہ کہ قادیانیوں نے من حیث الجماعت قیام پاکستان کے مطالبے کی حمایت کی تھی۔ چوتھے یہ کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک جماعت اسلامی نے چلائی۔ نیز یہ کہ قادیانیوں کو قومی اسمبلی میں ملاں نے زور دے کر غیر مسلم قرار دلوایا۔ اسی قسم کی کچھ اور باتیں بھی ضمناً کی ہیں۔ ان کا جواب بھی ضمنی طور پر دینے کی کوشش کرونگا۔

رعیہ صاحب کو شاید یہ غلط فہمی ہے کہ مولوی کے پاس کفر سازی کی مشین ہے۔ حالانکہ مولوی لوگوں کو کافر نہیں بناتا بلکہ کافر بتاتا ہے۔ جیسے ایک ڈاکٹر کسی کو بیمار بتاتا ہے بیمار بناتا نہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ اس کے عقائد اور اس کے کفریہ دعوؤں کی بنیاد پر علماء ہی نے دیا۔ یہ فتویٰ سب سے پہلے خاندان علماء لدھیانہ کے بزرگوں حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ، حضرت مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ، حضرت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ نے ۱۸۸۴ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریہ دعوؤں کی بنا پر دیا۔ اس وقت علماء میں سے ایک کثیر طبقہ نے اس کفر کے فتوے کی مخالفت بھی کی تھی۔ جس میں دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور علماء اہل حدیث میں مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس فتوے کی حسن ظن کی بنیاد پر مخالفت کی۔ اس سلسلے میں ان حضرات میں باقاعدہ ملاقاتوں میں بحث بھی ہوئی اور علمی خط و کتابت بھی ہوئی۔ کسی کو کافر بتانا اتنا آسان نہیں، یہ اہل علم ہی جانتے

ہیں۔ تقریباً چھ سات سال تک آپس میں مباحثہ اور تحقیق کے بعد ۱۸۹۰-۹۱ء میں کفر کے فتوے کے مخالف فریق نے بھی مرزا قادیانی کے کفر پر اتفاق کر لیا۔ کیونکہ ان حضرات پر مرزا غلام احمد قادیانی کا دجل فریب آشکارا ہو گیا تھا۔ اس سے علماء کی احتیاط کوشی صاف ظاہر ہے کہ فتوے کے مخالفت کرنے والے علماء نے تحقیق کا دامن نہیں چھوڑا۔ جب ان حضرات کو مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد کفریہ کی تحقیق ہو گئی تو پھر کفر کا فتویٰ دیا۔ علماء لدھیانہ بسبب قریب الوطن ہونے کے مرزا قادیانی کو زیادہ جانتے تھے اس لیے ان کو کفر کا فتویٰ دینے میں تردد نہ تھا۔ پھر بھی اگر ان علماء کی تحقیق میں مرزا قادیانی کافر نہ ٹھہرتا تو یقینی بات ہے کہ علماء لدھیانہ بھی اپنے کفر کا فتویٰ واپس لے لیتے۔ یہ علماء کا اخلاص ہی ہے ہٹ دھرمی نہیں۔

یہ بات بڑے دھڑلے سے کہی اور لکھی جا رہی ہے کہ مولویوں نے قادیانیوں کو کافر بنایا ہے۔ کوئی اس بات کی طرف نہیں آتا کہ مرزا قادیانی نے پوری امت مسلمہ کے متعلق کیا کیا جواہر ریزے بکھیرے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے نہ ماننے والوں کو کافر نہیں کہا؟۔ مرزا قادیانی نے نہ صرف کافر کہا بلکہ جن القاب سے اپنے نہ ماننے والوں کو خطاب کیا ہے ان کو ملاحظہ فرما کر رائے دیں۔ آپ کے کلام کی سنجیدگی اور متانت اگرچہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مرزا قادیانی کے یہ الفاظ اس میں درج نہ کیے جائیں مگر مجبوراً اختصار کے ساتھ ان کو منظر عام پر لانا نہایت ضروری سمجھتا ہوں۔

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے مخالفین کے متعلق لکھتا ہے:۔ ان العدی صاروا خنازیر الفلاء و نساءھم من دونھن الاکلب۔ میرے مخالف جنگلوں کے سؤر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں۔ (نجم الہدیٰ صفحہ ۱۵۳، از مرزا قادیانی) ایک اور جگہ لکھتا ہے:۔ تلک کتب ینظر الیھا کل مسلم و مسلمۃ بعین المحبۃ والمودۃ وینتفع من معارفھا و یقبلنی و یصدق دعوتی الا ذریۃ البغایا۔ میری ان کتابوں کو ہر مسلمان مرد اور زن محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے علوم و معارف سے فائدہ اٹھاتے ہیں بلکہ میری تعلیم و تصدیق سے وہ لوگ گریزاں ہیں جو کنجریوں کے بچے ہیں (بغایا کا یہ ترجمہ مرزا صاحب نے خود کیا ہے۔ (دیکھئے نور الحق صفحہ ۱۲۳، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی۔ آئینہ کمالات صفحہ ۵۴۸ مصنفہ مرزا صاحب قادیانی) ایک اور جگہ لکھتا ہے:۔ جو ہماری فتح کا قائل نہیں ہو گا تو صاف سمجھا جائے گا اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور وہ حلال زادہ نہیں۔ (انوار الاسلام صفحہ ۳۰، از مرزا قادیانی)

یہ میں نے بطور نمونہ مرزا قادیانی کا اخلاقی پہلو ذکر کیا ہے۔ جو کہ اس نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا ہے جو اس کو نبی نہیں مانتے۔ اگر ربیع فتح خان صاحب مرزا قادیانی کو نبی نہیں مانتے تو اپنے آپ کو بھی ان خطابات میں سے جس کو پسند فرمائیں اس کا اہل قرار دیکر قادیانیوں کے حق میں جو چاہے لکھیں۔

ربیہ صاحب کا اصرار ہے کہ یہ صرف ملاؤں کا مسئلہ ہے۔ جبکہ حقائق یہ ہیں کہ اس مسئلہ میں وہ مسلمان بھی پیش پیش رہے جو کہ لبرل یا جدت پسند کہلاتے ہیں۔ جس میں علامہ اقبال کا نام سرفہرست ہے۔ علامہ اقبال ایک ایسی شخصیت تھے جو کہ تقریباً تمام اہل اسلام کے لیے متفقہ تھے۔ وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے سرخیل تھے۔ قادیانی مسئلہ میں انہوں نے کبھی کوئی لچک نہیں دکھائی۔ قادیانی ٹولہ کی فریب کاری کا پردہ سب سے پہلے انہوں نے ہی چاک کیا۔ شروع شروع میں ڈاکٹر اقبال سمیت جدید تعلیم یافتہ طبقہ قادیانیوں کو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ نہ سمجھتا تھا۔ علامہ اقبال نے ۱۹۳۱ء میں تحریک کشمیر کے موقع پر قادیانیوں کو قریب سے دیکھا تو ان پر قادیانیوں کا دجل ظاہر ہوا تحریک کشمیر میں قادیانیوں نے کشمیر کمیٹی بنا کر اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کا صدر قادیانی گروہ کا سربراہ مرزا بشیر الدین محمود اور اسی گروہ سے سیکرٹری عبدالرحیم درد بنا دیا۔ مقصد یہ تھا کہ کشمیر کے مسلمانوں کی ہمدردی کی آڑ میں کشمیری مسلمانوں کو قادیانی بنایا جائے۔ ڈاکٹر اقبال نے اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے قادیانیوں کو کشمیری کمیٹی سے علیحدہ کر دیا اور خود کشمیر کمیٹی کے صدر بن گئے۔ اور پھر لندن گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے جاتے ہوئے تحریک کشمیر مجلس احرار اسلام کے سپرد کر دی۔ اور پھر ایک موقع پر اقبال نے کہا کہ میں نے تحریک کشمیر کو مجلس احرار اسلام کے سپرد کر کے گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔

ڈاکٹر اقبال نے ۱۹۳۵ء میں قادیانیت کی تردید میں 'قادیانیت اور صحیح العقیدہ مسلمان'' کے عنوان سے انگریزی میں ایک مضمون لکھا، جو کہ اس وقت کے مختلف اخباروں مثلاً ''ایسٹرن ٹائمز ٹربیون، سٹار آف انڈیا کلکتہ، دکن ٹائمز'' وغیرہ میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ اردو اخباروں میں بھی اس کا ترجمہ شائع ہوا۔ اس پر قادیانی اخبارات نے شور مچایا اور اقبال کے خلاف مضامین لکھے۔ اس وقت کسی بھی لبرل ٹائپ مسلمان نے قادیانیوں کی حمایت نہیں کی، اگر کوئی قادیانیوں کے حق میں میدان میں آیا تو وہ پنڈت جواہر لال نہرو کی ذات تھی۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے انگریزی مضامین بعنوان'' اتحاد اسلام، اقبال کے مضمون پر تبصرہ'' جو کلکتہ کے رسالے'' ماڈرن ریویو'' میں نومبر

۱۹۳۵ء میں شائع ہوئے اقبال کے نظریہ کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر اقبال نے جواہر لال نہرو کے مضامین کا نہایت جامع جواب بعنوان " اسلام اور احمدیت " تحریر کیا جو پندرہ روزہ اخبار " اسلام " مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ جواہر لال نہرو اور اقبال میں اس مسئلہ پر خط و کتابت بھی ہوئی۔ جس کا تفصیلی جواب دینے کے بعد ڈاکٹر اقبال نے قادیانیوں کے مذہبی اور سیاسی رویہ کا تجزیہ کرتے ہوئے مورخہ ۲۱ جون ۱۹۳۶ء میں جواہر لال نہرو کو لکھا کہ " میرے ذہن میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ احمدی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں " (دیکھیے اقبال کے بیانات اور تحریریں مرتبہ لطیف احمد شیروانی صفحہ ۲۰۰) قادیانیوں کی اسلام اور ملک کی غداری کے متعلق یہ الفاظ کسی ملاں کے نہیں بلکہ اس شخص کے ہیں جس کو پاکستان کا نظریاتی بانی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اقبال نے باقاعدہ ایک مضمون اس عنوان سے لکھا کہ حکومت قادیانیوں کے ایک الگ جماعت تسلیم کرے۔ اس میں اقبال نے ان الفاظ میں مطالبہ کیا۔

" قادیانیوں کی تفریق کی پالیسی کے پیش نظر جو انہوں نے مذہبی اور معاشرتی معاملات میں ایک نئی نبوت کا اعلان کر کے اختیار کی ہے۔ خود حکومت کا فرض ہے کہ وہ قادیانیوں اور مسلمانوں کے بنیادی اختلافات کا لحاظ رکھتے ہوئے آئینی قدم اٹھائے۔ اور اس کا انتظار نہ کرے کہ مسلمان کب مطالبہ کرتے ہیں۔ اور مجھے اس احساس میں حکومت کے سکھوں کے متعلق رویہ سے بھی تقویت ملی۔ سکھ ۱۹۱۹ء تک آئینی طور پر علیحدہ سیاسی جماعت تصور نہیں کیے جاتے تھے۔ لیکن اس کے بعد ایک علیحدہ جماعت تسلیم کر لیے گئے حالانکہ انہوں نے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ لاہور ہائیکورٹ نے فیصلہ کیا تھا۔ کہ سکھ ہندو ہیں۔"

...... اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے۔ جس کے حدود مقرر ہیں۔ یعنی وحدت الوہیت پر ایمان۔ انبیاء پر ایمان، اور رسول کریم ﷺ کی ختم رسالت پر ایمان، دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان جبراً امتیاز ہے۔ اور اس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ کوئی فرد یا گروہ ملت اسلامیہ میں شامل ہے۔ یا نہیں۔ مثلاً برہمو خدا پر یقین رکھتے ہیں۔ اور رسول کریم ﷺ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں۔ لیکن انہیں ملت اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جاتا، کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور رسول کریم ﷺ کی ختم نبوت کو نہیں مانتے۔ یہاں تک مجھے معلوم ہے۔ کوئی اسلامی فرقہ اس حد فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا۔ ایران میں "بہائیوں" نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہیں۔ اور

مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔ ہمارا ایمان ہے، کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا۔ لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریم ﷺ کی شخصیت کا مرہون منت ہے۔ میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں۔ یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں۔ یا پھر ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو اس کے پورے مفہوم کے ساتھ قبول کرلیں۔ ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں۔ کہ ان کا شمار حلقہ اسلام میں ہو۔ تاکہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ جائیں۔ (حرف اقبالؒ بحوالہ اخبار مشتعین)

اقبال تو قادیانیوں کے متعلق ملاں کے کفر کے فتوے سے بھی آگے نکل گیا۔ ملاں نے تو صرف کافر کہا مگر اقبال نے نئی نبوت کے مدعی کو واجب القتل تک کہہ دیا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نئی نبوت کا مدعی تھا۔ اقبال نے نئی نبوت کے مدعی کے لیے جو فتویٰ دیا ہے وہ نذیر نیازی کے نام ایک خط میں واضح ہے۔ ڈاکٹر اقبال ایک خط میں لکھتے ہیں۔

''ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزا نبوت کے موجود ہیں یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو ''وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل''۔ مسیلمہ کذاب کو اسی بنا پر قتل کیا گیا، حالانکہ جیسا راوی لکھتا ہے کہ وہ حضور رسالت مآب ﷺ کی نبوت کا مصدق تھا اور اس نے اذان میں حضور رسالت مآب ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔ (انوار اقبال، صفحہ ۴۴)

مرزا قادیانی نے ان دونوں اجزا یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے'' کا بانگ دہل اعلان کیا ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ مسلمانوں کی جس جس انجمن میں قادیانی گھسے ہوئے تھے وہاں سے انہیں چن چن کر نکالا۔ اس کی ایک مثال انجمن حمایت اسلام میں گھسے ہوئے قادیانیوں کے متعلق ہے۔

۱ جنوری ۱۹۳۶ء کے ابتدائی ہفتوں میں اقبال اپنے مضمون ''اسلام اور احمدیت'' کی تکمیل میں مصروف تھے، اس لئے بھوپال جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ۱۲ فروری ۱۹۳۵ء کو ایڈیٹر اخبار ''لائٹ'' نے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کی موت کو بہانہ بنا کر اپنے افتتاحیہ کالم میں اقبال کی ذات پر حملہ کیا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ احمدی عقیدہ رکھتے تھے اور انجمن حمایت اسلام

کے اہم رکن تھے۔ کیونکہ علامہ اقبال ۱۹۳۶ء میں انجمن حمایت اسلام کے صدر تھے۔ اس زمانے میں احراری قادیانی نزاع نے پنجاب بھر کے مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر رکھی تھی۔ اس لئے اقبال نے بحیثیت صدر انجمن کو مشورہ دیا کہ اسے احمدیت کے متعلق اپنی پالیسی غیر مشتبہ الفاظ میں واضح کر دینی چاہئے۔ چنانچہ ۲ فروری ۱۹۳۶ء کو انجمن کی جنرل کونسل نے زیر صدارت خلیفہ فضل حسین بہ تحریک عبدالمجید ایک قرارداد پیش کی جس میں ختم نبوت کے مسئلہ پر انجمن کے موقف کی وضاحت کی گئی تھی۔ اس سے پیشتر اسی موضوع پر انجمن کی طرف سے ایک اعلان بدیں مضمون بھی تیار کیا گیا تھا جو بعد میں اخبارات میں شائع ہوا کہ ''عقائد نبوت، وحی اور خاتمیت میں انجمن جماعت المسلمین کی ہم نوا ہے اور کونسل اس امر کا اعلان ضروری سمجھتی ہے کہ مسئلہ ختم نبوت اسلام کا ایک اساسی اصول ہے۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے بعد کوئی نبی کسی رنگ میں نہیں آ سکتا۔ پس انجمن کا مسلک یہی ہے اور ایسا ہی رہے گا۔ خیر شیخ اکبر علی اور مولانا احمد علی نے قرارداد کی تائید کی۔ پھر انجمن کے ریکارڈ کے مطابق ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ (جو کہ قادیانی تھے) نے نہ صرف قرارداد کی تائید کی بلکہ ارشاد فرمایا ''جس صاحب کو جنرل کونسل کا رکن منتخب کرنا ہو اس سے پہلے اس اعلان (جو اخبارات میں شائع ہوا) کے مطابق ختم نبوت کے عقیدے کا عہد لیا جائے کہ وہ اسی مسلک پر کاربند ہے اور رہے گا'' اس کے بعد ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نے سیکرٹری انجمن کی حیثیت سے صدر انجمن (اقبال) کے مطالبے کی وضاحت کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ میں قرارداد کی تائید کی ''صدر محترم نے یہ محسوس کیا ہے کہ انجمن دن بدن مسلمانوں میں اپنا وقار کھو رہی ہے۔ جب تک احمدیت کے متعلق انجمن کی پالیسی غیر مشتبہ الفاظ میں واضح طور پر پبلک کے سامنے نہ کی جائے تب تک مسلمان مطمئن نہیں ہو سکتے۔ اور ایک بڑی جماعت جس پر کہ مسلمانوں میں ہیجان تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی نبی کسی رنگ میں آ سکتا ہے یا نہیں، اس ریزولیشن میں اس کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے'' اس مرحلہ پر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ جوش میں آ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور چلا کر بولے: ''جناب ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب نے جو تشریح کی ہے وہ غلط ہے بلکہ مجازی رنگ میں نبی آ سکتا ہے'' مولوی غلام محی الدین نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا: ''انجمن جماعت المسلمین پر اپنی جنرل کونسل کے ذریعہ واضح کرنا چاہتی ہے کہ انجمن جماعت المسلمین کے ساتھ ہے۔ مرزا صاحب کو اختلاف پیدا کرنا نہیں چاہیے۔ اصول مندرجہ بالا کے علاوہ ان کا کوئی عقیدہ ہے تو وہ اسے اپنے تئیں رکھیں اور انجمن میں ذریعہ اختلاف نہ بنائیں۔ اور میں اس اعلان کی پرزور تائید کرتا ہوں'' ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ غصہ میں میٹنگ سے واک آؤٹ کر

گئے۔ نو دنوں کے بعد ان پر فالج کا حملہ ہوا اور ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء کو رات گیارہ بجے فوت ہو گئے (دیکھئے زندہ رود، جلد ۳، صفحہ ۶۷۷۔۶۷۷)

یہاں پر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ملاؤں کا نہیں بلکہ تمام اہل اسلام کے ایمان کی بقاء کا تھا۔ نیز ربوہ صاحب کا فرمان ہے کہ سن ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو قانونی طور پر جو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا وہ ملاؤں کے دباؤ کی وجہ سے تھا۔ گویا کہ پاکستان میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قانونی طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا فیصلہ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ نے ۱۹۳۶ء میں طے کر لیا تھا۔

۱۹۳۶ء میں الیکشن کے موقع پر ایک مسلم پارلیمنٹری بورڈ تشکیل دیا گیا۔ جس میں مسلم لیگ اور مجلس احرار اسلام شامل تھیں۔ ۱۳ راگست ۱۹۳۶ء کو اس پارلیمنٹری بورڈ کا اجلاس برکت علی اسلامیہ حال لاہور میں ہوا۔ اس پر ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

۱۳ اگست کو برکت علی اسلامیہ ہال میں بورڈ کا اجلاس ہوا تو ڈاکٹر صاحب ناسازی مزاج کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے۔ ملک برکت علی نے صدارت فرمائی۔ جلسے میں چالیس آدمی موجود تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا استعفیٰ پیش نہ ہوا اور ملک زمان مہدی خاں کو بورڈ کا ڈپٹی پریذیڈنٹ منتخب کر لیا گیا۔ اس کے علاوہ نشر و اشاعت اور پراپگنڈے کے لئے ایک سب کمیٹی بنائی گئی جس کے سپرد یہ کام بھی کیا گیا کہ اس حلف نامے کا مسودہ تیار کرے جس پر اسمبلی کے مسلم لیگی امیدواروں کو دستخط ثبت کرنا ہوں گے۔ ابتداء میں اس سب کمیٹی کے پانچ ممبر تھے یعنی علامہ اقبال، ملک زمان مہدی، غلام رسول خاں، چودھری افضل حق اور مولوی مظہر علی اظہر۔ لیکن چند روز بعد چار نئے آدمیوں کا اضافہ کیا گیا۔ جن میں مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، میاں عبدالمجید بیرسٹرایٹ لا، ملک برکت علی اور عاشق حسین بٹالوی شامل تھے......

جب اسمبلی میں جانے والے مسلم لیگی امیدواروں کا حلف نامہ تیار کرنے کے لئے مقررہ سب کمیٹی کا اجلاس ہوا تو غلام رسول خاں نے حسب ذیل مسودہ منظوری کے لئے پیش کیا۔...... ''بخدمت آنریری سیکرٹری صاحب اپنجاب پراونشل مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ......لاہور

اقرار نامے کی تفصیل کے بعد ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔

مولانا حبیب الرحمٰن بولے...... اس کے ساتھ یہ شق بھی بڑھا دیجئے کہ مسلم لیگی امیدوار کو اقرار صالح کرنا چاہئے کہ وہ اسمبلی میں جا کر مرزائیوں کو مسلمانوں سے خارج کرا کے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیئے جانے کی پوری کوشش کرے گا۔“ سچی بات یہ ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن نے یہ نئی شق پیش کر کے ہمیں حیران ہی نہیں پریشان کر دیا تھا۔ ہم میں سے کوئی شخص مرزائیت یا غیر مرزائیت کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ یوں بھی مسلم لیگ جیسی قومی اور سیاسی جماعت سے توقع رکھنا کہ مرزائیت کے بارے میں اپنے عقیدے کا اعلان کرے، ایک لایعنی بات تھی۔ زمان مہدی خاں اس وقت جلسے کی صدارت کر رہے تھے۔ انہوں نے مولانا حبیب الرحمان سے کہا: ”بے سود جھگڑا نہ کیجئے۔ یہ نئی شق پیش کرنے کا یہاں کیا موقع محل ہے۔“ مولانا نے چمک کر فرمایا: ”جس طرح مسجد شہید گنج کی بازیابی آج پنجاب کے تمام مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ ہے اسی طرح یہ بھی متفقہ مطالبہ ہے کہ مرزائیوں کو مسلمانوں سے خارج کر کے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں آتا تو چلئے ہم ابھی اسی وقت موچی دروازہ کے باغ میں ایک جلسہ عام کر کے مسلمانوں سے استصواب کر لیتے ہیں۔“ مولانا کی رائے درست تھی۔ احرار نے سالہا سال کے پراپیگنڈے سے عام مسلمانوں میں مرزائیت کے خلاف سخت نفرت پیدا کر رکھی تھی۔ اور اگر اس امر کے متعلق کسی جلسہ عام میں استصواب کیا جاتا تو مسلمان یقیناً مرزائیت کے خلاف رائے دیتے چنانچہ مجبوراً غلام رسول خاں کو حلف نامہ میں ایک نئی شق کا اضافہ کرنا پڑا۔

”میں اقرار صالح کرتا ہوں کہ اگر میں آئندہ پنجاب اسمبلی میں نامزد ہو کر کامیاب ہو گیا تو اسلام اور ہندوستان کے مفاد کی خاطر مرزائیوں کو دیگر مسلمانوں سے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیئے جانے کیلئے انتہائی کوشش کروں گا۔“

دوسرے روز غلام رسول خاں حلف نامے کا مسودہ لے کر علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں سارا واقعہ سنایا، تو ڈاکٹر صاحب نے مرزائیت کے متعلق نئی شق بڑھائی جانے پر کسی تعجب کا اظہار نہ فرمایا اور نہ کوئی اعتراض کیا۔ (اقبال کے آخری دو سال، صفحہ ۳۲۲ تا ۳۲۴)

یہاں پر عاشق حسین بٹالوی نے جن مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا ذکر کیا ہے وہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ہیں جن کے دادا نے ۱۸۸۴ء میں مرزا غلام احمد قادیانی پر سب سے پہلے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ وہ مجلس احرار اسلام کے بانی تھے اور اس کے صدر تھے۔ اقبال نے مجلس احرار کے صدر کی بات کو نہیں ٹالا۔ ان کو معلوم تھا کہ یہ لوگ جس طرح تکذیب نبوت کے خلاف میدان میں ہیں

ان کی مدد ہی کرنی چاہیے۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے صرف اتنا ہی ذکر کیا ہے کہ ڈاکٹر اقبال نے اس حلف نامے کی اس عبارت پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جبکہ اقبال کے اس خط سے ظاہر ہوتا ہے جو کہ انہوں نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کو لکھا تھا کہ "یہ تو بہت اچھا ہوا جو کام میں کرنا چاہتا تھا اور کر نہیں سکا تھا مولانا حبیب الرحمن نے کر کے ہم سب کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا۔ (مکاتیب رئیس الاحرار) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے متعلق جو بھی تحریک چلی اس کی بنیاد اصولی طور پر ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کی اس شق کے ساتھ رکھ دی گئی تھی۔ قادیانیوں کو ۱۹۷۴ء میں جو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا یہ ایک ہی دن میں کسی دھمکی کی بنا پارلیمنٹ کے گھیراؤ کی وجہ سے نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کے لیے باقاعدہ طور پر اسمبلی ہال میں علمی اور تحقیقی بحث ہوئی۔ تیرہ دن تک بحث ہوئی۔ اور قادیانی گروہ کے اس وقت کے سربراہ مرزا ناصر کو باقاعدہ صفائی کے لیے بلایا گیا۔ اسمبلی میں اس وقت کے اٹارنی جنرل مسٹر یحییٰ بختیار مرحوم نے باقاعدہ مرزا ناصر پر جرح کی۔ مرزا ناصر نے اس بات کو تسلیم کیا کہ جو بھی مرزا قادیانی کو نبی نہیں مانتا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس کے بعد تمام ممبران اسمبلی جن میں اکثریت ان کی تھی جو کہ سیکولر ذہن کے تھے، اس وقت ذوالفقار علی بھٹو مرحوم وزیر اعظم تھے اور خان عبدالولی خان مرحوم قائد اختلاف تھے سب نے اس قرارداد کی حمایت کی، اور اس پر دستخط کیے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ لبرل مسلمان کہلانے والے اقبال کے قول کے مطابق کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ کو اجتہاد کا حق دیا جانا چاہیے۔ اب جب کہ پارلیمنٹ نے باقاعدہ جرح اور تعدیل کر کے قادیانیوں کے کفر کے متعلق فیصلہ کر دیا تو وہ انہیں قبول نہیں۔

باقی یہ بات کہ چوہدری ظفر اللہ خان کو وزیر خارجہ بنایا گیا یہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس وقت نوزائدہ مملکت کی باگ ڈور انگریز کے ہاتھوں میں ہی تھی۔ جس طرح گورنر جنرل پاکستان قائداعظم کی طرف سے کشمیر پر حملہ کرنے کے حکم کو انگریز چیف آف آرمی سٹاف جنرل ڈگلس گریسی نے نہیں مانا تھا اسی طرح انگریز کی طرف سے قادیانیوں کی پشت پناہی ہو رہی تھی۔ جس پر بانی پاکستان مجبور و بے بس تھے۔ اس لیے کہ اس وقت پاکستان کا گورنر جنرل شاہ برطانیہ کی وفاداری کا حلف اٹھاتا تھا۔ چنانچہ تاج برطانیہ سے بغاوت نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس کے لیے بانی پاکستان کا حلف پڑھ

ہیں۔ دوسری طرف قادیانی تاج برطانیہ کے وفادار تھے بلکہ برطانیہ ان کا سرپرست تھا۔

باقی یہ کہ قادیانیوں نے بحیثیت الجماعت پاکستان کے قیام کی حمایت کی تھی تو یہ بھی غلط ہے۔ منیر انکوائری رپورٹ میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ۔ ’’پاکستان کی خیالی تصویر حقیقت کا روپ دھارنے لگی تو انہیں (قادیانیوں) نئی ریاست کے نظریے کے ساتھ ذہنی مصالحت مشکل محسوس ہونے لگی۔ انہوں نے اپنے آپ کو دوہری مصیبت میں پایا۔ کیونکہ وہ ایک لادین ریاست ہندوستان کا انتخاب نہیں کرسکتے تھے۔ نہ ہی پاکستان کا، جہاں تفرقے بازی کی حوصلہ افزائی نہ ہوسکتی تھی۔ ان کی تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تقسیم کے مخالف تھے اور اگر تقسیم ہوگئی تو وہ دوبارہ اتحاد کی سعی کریں گے۔ (منیر رپورٹ صفحہ ۱۹۶) جسٹس منیر کوئی مذہبی آدمی نہیں تھا بلکہ اس نے پورے مقدمے میں قادیانیوں کی حمایت ہی کی تھی۔

ظفر اللہ خان نے سب سے پہلے غداری یہ کی کہ انہوں نے ضلع گورداسپور کو پاکستان سے علیحدہ کرایا۔ جبکہ فیصلہ یہی تھا کہ وہ پاکستان کا حصہ ہوگا۔ تقسیم کے بعد جب ظفر اللہ کو پہلے حد بندی کمیشن کے سامنے پاکستان کا مقدمہ پیش کرنے کے لیے کہا گیا تو اس کی اپنی جماعت نے اپنے آپ کو ایک علیحدہ حیثیت سے پیش کیا۔ جس کے نتیجہ میں پاکستان کو گورداسپور بلکہ مکمل کشمیر سے ہاتھ دھونا پڑے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قادیانی کسی بھی شکل میں قادیان سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ اگر قادیان پاکستان میں شامل ہوگیا تو کبھی نہ کبھی ان پر پابندی لگ جائے گی اور وہ قادیان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ لہذا انہوں نے قادیان کو ہندوستان سے منسلک کردیا اور قادیان میں اپنی جائیداد کی قانونی حصول کے لیے پاکستان کے قادیانیوں کو ہدایات جاری کردی گئیں کہ وہ اپنی جائیدادوں کے معاملے میں پاکستان میں کسی قسم کا کلیم داخل نہ کریں۔ ان پر واضح کیا گیا تھا کہ چونکہ وہ سیاسی حالات کی وجہ سے مجبور ہوکر عارضی طور پر پاکستان آئے ہیں اور دو یا تین کوششوں کے بعد وہ لازمی طور پر قادیان واپس چلے جائیں گے۔ (الفضل ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اگر قادیانی گورداسپور کو ہندوستان کے حوالے نہ کرتے تو کشمیر کا مسئلہ اسی وقت حل ہوچکا ہوتا۔ اس لیے کہ گورداسپور کے ذریعہ ہی ہندوستان کو کشمیر کے لیے راستہ ملتا تھا۔ گویا کہ قادیانیوں نے ہندوستان کو باقاعدہ کشمیر کے لیے ایک محفوظ راستہ دیا۔

••

نیز رضیہ صاحبہ نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کا سہرا جماعت اسلامی کے سر باندھا ہے۔ یہ بھی تاریخی اعتبار سے غلط ہے۔ جماعت اسلامی نے نہ ہی یہ تحریک چلائی اور نہ ہی اس تحریک میں فعال کردار ادا کیا۔ یہ ایک طویل بحث ہے بصرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ جماعت اسلامی کی کچھ اپنی ترجیحات تھیں جس کی وجہ سے وہ نہ صرف تحریک میں شامل نہیں ہوئی بلکہ تحریک کی مخالفت بھی کی۔ یہاں تک کہ جماعت اسلامی کے کچھ افراد کو تحریک ختم نبوت میں حصہ لینے کی پاداش میں جماعت سے نکال دیا گیا۔

قادیانی گروہ کی طرف سے پاکستان کے ساتھ وفاداری کا یہ عالم ہے کہ ان کے رابطے باقاعدہ انڈیا حکومت سے تھے۔ جب بھی قادیانیوں کو پاکستان میں مشکل پیش آئی تو انڈیا سے ہی ان کی حمایت میں بیان آیا۔ قادیانیوں کا ہندوستان پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان کو کشمیر پر قبضہ کرنے کے لیے محفوظ راستہ دیا۔ یعنی گورداسپور کا ضلع پاکستان سے نکال کر ہندوستان میں شامل کروایا تھا۔ ۱۹۵۳ء میں جب تحریک ختم نبوت چلائی گئی تو اس وقت ہندوستان کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے قادیانیوں کے حق میں بیان دیا۔ جواہر لال نہرو نے کہا تھا کہ "پاکستان میں ختم نبوت کی تحریک تنگ نظری پر مبنی ہے"۔ تو اس وقت بانی احرار رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی جو کہ پکے کانگریسی تھے تقسیم ہند کے خلاف تھے اسی لیے وہ پاکستان نہیں آئے، انہوں نے کانگریس کی حکومت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہندوستان کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کو ایک احتجاجی خط لکھا تھا۔ یہ خط "مکاتیب رئیس الاحرار" میں شائع ہو رہا ہے، جو کہ عنقریب منظر عام پر آ رہے ہیں۔

آخر میں ایک بات عرض کرتا چلوں، وہ یہ کہ قادیانیوں کے کفر صریح کے متعلق کسی بھی فرقے میں اختلاف نہیں۔ قادیانی اکثر سادہ لوح مسلمانوں کو یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمام فرقے دیوبندی، اہل حدیث، شیعہ، اور بریلوی ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں، اس حساب سے یہ تمام فرقے خود کافر ہیں۔ تو میری عرض ہے کہ اگرچہ یہ تمام فرقے ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں مگر ان تمام کافروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قادیانی کافر ہیں۔

رئیس الاحرارؒ اور قائد اعظم پاکستان مرحوم میں مکاتبت

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو دانشمند لیڈران قوم حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ۱۴ اگست سے پہلے ہی مشرقی پنجاب سے مغربی پنجاب میں محفوظ ٹھکانوں پر منتقل ہو گئے تھے۔ مگر رئیس الاحرارؒ کا خاندان اور ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم لدھیانہ میں اس لیے رُکے رہے تاکہ مسلمانوں کا قتل عام کم ہو۔ یہ حضرات اکتوبر کے شروع میں پاکستان آئے۔ پاکستان میں پہلے پہل شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے پاس ٹھہرے پھر ریاست بہاولپور میں محمد حسین چغتائی صاحب مرحوم کے پاس کچھ دن ٹھہرے۔ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ تقسیم ہند کے بعد عارضی طور پر پاکستان تشریف لائے تھے۔ پاکستان میں رہنے کا ان کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ انہی دنوں جب بانیٔ پاکستان مسٹر محمد علی جناح مرحوم کو رئیس الاحرارؒ کے پاکستان آنے کا علم ہوا تو انہوں نے رئیس الاحرار کو پاکستان میں قیام کی پیشکش کی۔ بانیٔ پاکستان چونکہ اردو پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے تو اس سلسلے میں سردار عبدالرب نشتر صاحب کے ذریعہ خط و کتابت کی۔

مکرم و محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دام مجدکم

السلام علیکم۔ گزشتہ دنوں یہ معلوم ہو کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ پاکستان تشریف لا چکے ہیں۔ اور لاہور میں مقیم ہیں۔ مجھے قائد اعظم نے بلا کر فرمایا ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن اور ان کے اہل خانہ کی رہائش کا فوری بندوبست کیا جائے۔ آپ حکم فرمائیں کہ آپ کس شہر میں رہنا پسند فرمائیں گے۔ اگر آپ لاہور ہی میں قیام فرمائیں تو ہمارے لیے آپ کی خدمت کرنا زیادہ آسان ہے۔ لاہور ہی میں میکلوڈ روڈ پر ایک بڑا وسیع گھر خالی ہے۔ میرے اندازے کے مطابق وہ آپ کے اہل خانہ کے لیے کافی رہے گا۔ میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔

احقر العباد نشتر

محترم جناب نشتر صاحب

السلام علیکم۔ قائد اعظم کا پیغام آپ کے خط کی صورت میں ملا۔ قائد اعظم کا بہت شکریہ کہ انہوں نے ہمدردی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ میرے محترم میں یہاں رہنے کے لیے نہیں آیا۔ [illegible] سمجھیں کہ میری [illegible] مجبوراً [illegible] کہ یہاں

لے آئی۔ میں لدھیانہ سے دلی جانا چاہتا تھا مگر مشرقی پنجاب کے راستے مخدوش حالات کی وجہ سے اس قابل نہ تھے کہ سفر کیا جا سکتا۔ میں نے پاکستان کے بننے کی ساری زندگی مخالفت کی، اب میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ میں یہاں سکونت اختیار کروں۔ یہاں پر جو لٹے پٹے مسلمان آ گئے ہیں ان کو آپ سنبھالیں۔ ہندوستان کا مسلمان اب بے یار و مددگار ہو گیا ہے۔ خصوصاً مشرقی پنجاب تو مسلمانوں سے بالکل خالی ہو گیا ہے۔ میں وہاں واپس جانا چاہتا ہوں۔ میں یہاں صرف اس لیے آیا ہوں کہ ہوائی جہاز کے ذریعہ دلی چلا جاؤں۔ میرے لیے سب سے بہتر آپ کی ہمدردی یہ ہے کہ میرے لیے ہوائی جہاز سے دلی جانے کا بندوبست کر دیں۔ یہی آپ کا میرے اوپر احسان ہوگا۔ میری طرف سے قائد اعظم کا بھرپور طرح سے شکریہ ادا کریں۔ سکون سے کسی جگہ بیٹھوں گا تو پاکستان کی بہتری کے لیے کچھ عرض کروں گا۔

والسلام۔ غریب الدیار حبیب الرحمن لدھیانوی

پھر بساؤ کانفرنس کے سلسلہ میں بانی پاکستان کو خط

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی طبیعت پر تقسیم ہند کی وجہ سے آبادی کے تبادلے کا بڑا گہرا اثر تھا۔ ان کی کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح سے وہ لوگ جو کہ تقسیم کی وجہ سے اپنے شہروں، گھروں سے نکال دیے گئے ہیں ان کو پھر دوبارہ ان کے اصل گھروں میں واپس لانے کا بندوبست کیا جائے۔ اس میں تمام مذاہب کے وہ افراد شامل تھے جو ہندوستان سے پاکستان اور پاکستان کے علاقے سے ہندوستان چلے گئے تھے۔

اس کے پس منظر میں ایک خواہش یہ بھی تھی کہ مشرقی پنجاب جو کہ مسلمانوں کے نکال دیے کی وجہ سے مسلمانوں سے مکمل طور پر خالی ہو چکا تھا، مسلمانوں کی مساجد اور مقابر اصطبل بنا دیے گئے تھے، ان کو آباد کرنے کے لیے اس میں مسلمانوں کو پھر واپس لا کر آباد کیا جائے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ہندوؤں، مسلمانوں، اور سکھوں کو ملا کر "پھر بساؤ" کے نام پر ایک کمیٹی بنائی۔ اور اس کا ایک اجلاس ۲۵ مارچ ۱۹۴۸ء میں دلی میں منعقد کر کے اس میں یہ طے کر لیا کہ اس سلسلہ میں ایک ہندو پاک کانفرنس کی جائے۔ جس میں اس مسئلے کو رکھا جائے۔ اور اس پر عمل درآمد کیا جائے۔ چنانچہ اس اجلاس کی کارروائی کے ساتھ بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح (جو کہ اس وقت گورنر جنرل تھے) کو ایک خط کے ساتھ بھیجا۔

از: کوچہ رحمٰن چاندنی چوک، دلی۔ ۲۹ مارچ ۱۹۴۸ء

محترم جناب محمد علی جناح صاحب، گورنر جنرل پاکستان و قائد اعظم پاکستان

السلام علیکم۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔ میں نے پاکستان سے واپسی پر مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ جو لوگ تقسیم ہند کی بنیاد پر گھروں سے زبردستی نکال دیے گئے ہیں، چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان ہوں یا سکھ، سب کو ان کے گھروں میں دوبارہ آباد کرنے کی سعی کروں گا۔ اس سلسلہ میں ہم نے تمام دردِ دل رکھنے والے ہندو، مسلمان اور سکھ دوستوں کو اکٹھا کرکے ایک اجلاس منعقد کیا۔ جس میں یہ طے کیا گیا کہ اس کام پر عمل درآمد کرنے کے لیے ایک بڑا اجلاس منعقد کیا جائے۔ جس میں دونوں ملکوں کے ذمہ دار حضرات شریک ہوں۔ اس سلسلہ میں آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہماری نہ صرف رہنمائی فرمائیں بلکہ بھرپور مدد بھی فرمائیں۔ اجلاس کب اور کہاں رکھا جائے اس معاملے میں آپ کی رائے جاننا ضروری ہے۔ یہ کام جتنا جلد ممکن ہو سکے کرلینا چاہیے۔

اجلاس کی کارروائی اور آئندہ کے ایجنڈے کی تفصیل ساتھ بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ مایوس نہیں فرمائیں گے۔ والسلام

خیر اندیش، حبیب الرحمن لدھیانوی، صدر رہنما کمیٹی، دلی۔

جواب

جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا ہے کہ بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح اردو زبان پر دسترس نہیں رکھتے تھے اس لیے ان معاملات میں زیادہ تر سردار عبدالرب نشتر صاحب کے ذریعہ سے جواب دیا جاتا تھا تو جواب یہ دیا گیا۔

کراچی ۱۴ اپریل ۱۹۴۸ء

مکرم محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب دام ظلہم

السلام علیکم:

مجھے جناب عبدالغنی صاحب ڈار کی طرف سے ایک خط ملا، جو کہ قائد اعظم اور وزیر اعظم کے نام تھا۔ میں نے وہ خط قائد اعظم کو بذات خود پہنچایا۔ دوسرے دن قائد اعظم نے مجھے یاد فرمایا، اس وقت ان کے پاس وزیر اعظم خان لیاقت علی خان بھی موجود تھے۔ قائد اعظم نے مجھے وہ خط پڑھنے کے لئے دیا۔ جس میں دہلی سے ایک جلسہ کی کارروائی درج تھی اور اس کے ساتھ آپ کا گرامی نامہ بھی تھا جو منسلک تھا۔ قائد اعظم نے آپ کے جذبات کو سراہا۔ چونکہ قائد اعظم بیمار ہیں اس لئے اس خط کے جواب کی ذمہ داری مجھے سونپ دی۔ میں قائد اعظم اور وزیر اعظم کے مشورے سے آپ کو جواب دے

رہا ہوں۔

جہاں تک جلسہ مذکور کے فیصلوں کا اور نقطۂ نگاہ کا تعلق ہے مناسب نہیں ہے کہ ان امور کے متعلق کچھ عرض کیا جائے جو اخلاقی ہیں۔لیکن جہاں تک آپ کے نوازش نامہ کا تعلق ہے ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنی رائے سے آپ کی خدمت میں عرض کریں۔ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ حکومت پاکستان کی یہ حقیقی خواہش ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اور پاکستان کے ہندو دونوں عزت اور امن کے ساتھ اپنے اپنے ملک میں رہ سکیں۔اس سلسلہ میں ہم لوگوں کی طرف سے مسلسل کوششیں بھی ہوتی رہیں۔ لیکن غرض مند لوگوں نے مغربی پاکستان کے ہندوؤں کو مختلف ذرائع سے بہکا کر وطن چھوڑنے پر آمادہ کر ہی لیا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا جو آخری جلسہ کراچی میں ہوا تھا۔وہاں پر ایک تجویز پاس ہوئی تھی کہ ہندو پاکستان کی حکومتیں مل کر متفقہ طور پر دونوں ممالک کی اقلیتوں کیلئے ایک منشور ''حقوق اقلیت'' مرتب کریں اس جلسہ کے بعد لیاقت علی خان صاحب ایک کانفرنس کے سلسلہ میں دہلی تشریف لے گئے اور انہوں نے یہ تجویز پنڈت جواہر لال نہرو کے سامنے پیش کی۔معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی کو یہ تجویز پسند نہ آئی کیونکہ در جواب انہوں نے اپنے مجوزہ دستور کا مسودہ بھیج دیا۔اس کے معنی یہ تھے کہ انہوں نے تو اقلیتوں کے حقوق کا فیصلہ اپنے خیال کے مطابق کر لیا ہے۔اگر آپ حکومت کے ارباب حل وعقد کو منشور اقلیت کی تیاری پر آمادہ کر سکیں تو ہمیں یقین ہے کہ پاکستان کو آپ ہر وقت تیار پائیں گے۔یہ ایک بنیادی امر ہے اس لئے چشم پوشی کر کے یہ توقع رکھنا کہ محض باتوں سے اقلیتوں کو مطمئن کیا جا سکتا ہے درست نہیں۔

آپ نے خط میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ قائد اعظم صاحب اور لیاقت علی خان صاحب سے اور دیگر وزراء سے ''بچھڑ بساؤ'' کانفرنس کے سلسلہ میں ملنا چاہتے ہیں۔عجیب اتفاق ہے کہ آپ کے خط کے آنے سے چند دن پہلے ہی قائد اعظم نے آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔قائد اعظم نے فوراً اس خواہش کو پورا کرنے کا فرمایا ہے۔اب آپ کی صوابدید پر ہے کہ آپ کب اس خواہش کو عملی جامہ پہنائیں گے۔ہماری طرف سے دروازے کھلے ہیں۔

قائد اعظم اور وزیر اعظم سے مشورے کے بعد میں نہایت ادب کے ساتھ گذارش کرتا ہوں

کہ ایک مسلمان بھائی کا دوسرے مسلمان بھائیوں سے مل کر اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرنا ہماری ناقص رائے میں کامیابی حاصل کرنے کا عملی طریقہ نہیں "پھر بساؤ" کی کامیابی کے لئے علاوہ دیگر باتوں کے حسب ذیل امور ضروری ہیں۔

(۱) منشور حقوق اقلیت کا مرتب کرنا یہ دونوں حکومتوں کا کام ہے۔

(۲) دونوں ملکوں میں سازگار فضا پیدا کرنا اس میں حکومت اور غیر سرکاری حضرات دونوں کی کوششیں بار آور ہو سکتی ہیں نمبر ایک کی تکمیل نمبر ۲ کی کامیابی میں بہت مد ثابت ہوگی۔

(۳) تمام ان پروپیگنڈوں کو روکنا جن کے ذریعہ سے خود غرض لوگ جو اقلیتوں کو وطن چھوڑنے کے لئے بہکاتے ہیں (اس میں رائے عامہ کے دباؤ کے علاوہ حکومت کو بھی ایسے لوگوں کے خلاف کاروائی کرنی ہوگی)۔ سندھ کے ہندو ایسے ہی پروپیگنڈے کا شکار ہو رہے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر واقعی "پھر بساؤ" تحریک کو پوری طرح کامیاب بنانا ہے تو مواضعات بالا پر تبلیغی، تقریری اقدامات متذکرہ بالا پر پوری توجہ فرمائیں۔ بہت کچھ حکومت ہند کے رویہ پر منحصر ہے۔

ایک اور بات کی طرف توجہ کی بڑی اشد ضرورت ہے، جس کے متعلق قائد اعظم اور وزیر اعظم دونوں نے اشارہ فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ ہندوستان سے کثیر تعداد میں اب بھی مہاجرین آ رہے ہیں، جبکہ ہمارا حال اب اس بند بوتل جیسا ہے کہ وہ پانی سے بھر چکی ہو اور اس میں مزید پانی ڈالنے کی جگہ نہ ہو آپ سمجھدار ہیں آپ اس سلسلہ میں ہمارے ساتھ یہ تعاون کر سکتے ہیں کہ ہندوستان سے مسلمانوں کو مزید ہجرت سے روکیں۔ پھر بساؤ کانفرنس کی یہ تجویز کہ مہاجرین کو انکی مرضی سے دوبارہ ان کے اصلی مقامات پر آباد کیا جائے، یہ ناممکن ہے۔

ہم معقدرانہ جذبہ سے یہ عرض نہیں کر رہے بلکہ آپ سے عرض کی سبب سے جس نے اس مسئلہ کا مطالبہ بھی کیا ہے، لگتا ہے کہ اس نے تصویر کے دونوں رخ نہیں دیکھے۔ اور جس نے اس تصویر کے دونوں رخ کسی قدر دیکھے ہیں کم از کم یہ مطالبہ نہیں کر سکتا۔

اختر اعجاز۔ نشتر...... وزیر مواصلات پاکستان

....

شب برأت

مولانا محمد انس ۔ مدرس جامعہ علوم اسلامیہ

ماہ شعبان المعظم میں ایک بہت بڑی فضیلت اور رحمت والی رات آتی ہے۔ جو شعبان المعظم کی پندرویں شب ہوتی ہے۔ لیلۃ القدر جو کہ رمضان المبارک کی ستائسویں شب ہے اسکے بعد شعبان کی پندرہویں شب سے زیادہ کوئی شب افضل نہیں۔

علما نے کتب میں اس رات کے کئی اسماء ذکر کے ہیں مثلاً (۱) لیلۃ البراۃ (۲) لیلۃ المبارکہ (۳) لیلۃ الرحمۃ

(۱) لیلۃ البراۃ کا مطلب ہے جہنم سے خلاصی ملنے اور بری ہونے کی رات

(۲) لیلۃ الرحمۃ کا مطلب ہے خدا تعالے کی خاص رحمت کے نزول کی رات

(۳) لیلۃ المبارکہ کا معنی ہے بہت ہی برکتوں والی رات

عرفاً لوگ اسے شب براءت کہتے ہیں۔ شب کے معنی فارسی زبان میں رات کے ہیں، اور براءت عربی لغت کا لفظ ہے جس کے معنی خلاصی اور نجات ملنے کے ہیں، مناسبت واضح ہے کہ اس رات اللہ تعالی کی رحمت اور خاص لطف وعنایت کے سبب متعدد جہنمی جہنم سے نجات پاتے ہیں، اس لئے اس رات کو "شب براءت" کہتے ہیں، شب براءت کے متعلق قرآن شریف میں فقط ایک آیت ہے بعض حضرات مفسرین کی رائے اور عندیہ میں یہاں شب براءت کا ذکر ہے، اور وہ آیت سورہ دخان پارہ ۲۵ کی ہے۔

انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے اس کو (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) ایک برکت والی رات میں اتارا ہے (کیونکہ) ہم (بوجہ شفقت کے اپنے ارادے میں اپنے بندوں کو) آگاہ کرنے والے تھے (یعنی ہم کو یہ منظور ہوا کہ ان کو مضرتوں سے بچا لینے کیلئے خیر وشر پر مطلع کر دیں یہ قرآن کو نازل کرنے کا مقصد تھا)۔ معارف القرآن سورہ دخان آیت نمبر (۳)

****

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول منقول ہیں۔ بعض مفسرین کی رائے میں اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ (جو رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں آتی ہے) اور بعض کی رائے ہے کہ یہ شب براءت ہے۔

بعض مفسرین عکرمہؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ انھوں نے اس آیت میں لیلہ مبارکہ سے مراد شب براءت یعنی نصف شعبان کی رات قرار دی ہے۔

بعض دیگر مفسرین مثلاً ابن عباسؓ وغیرہ نے یہ فرمایا ہے کہ اس سے مراد لیلۃ القدر ہے اور جمہور مفسرین کا مسلک بھی یہی ہے۔

صحیح فیصلہ

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں او من قال انها ليلة النصف من شعبان كما روى عن عكرمة فقد ابعد فا ن نص القرآن انها في رمضان

ترجمہ: اور جو شخص یہ کہے یہ شب نصف شعبان کی شب ہے جیسا کہ عکرمہ سے روایت کی گئی ہے پس تحقیق اس شخص نے راہ حق سے اپنی نگاہ کو دور جا پھینکا۔ بلاشبہ قرآن شریف کی نص تو یہ باور کراتی ہے کہ وہ رمضان شریف میں ہے۔ ابن کثیر نے اپنے قول کی تصحیح کے لیے درج ذیل دو آیتوں سے استدلال کیا۔

شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن اور انا انزلناه فى ليلة القدر

صحیح مسلم کی شرح میں علامہ نووی فرماتے ہیں اکہ لیلۃ مبارکہ سے شعبان کی پندرھویں شب مراد لیا غلطی ہے اور صحیح بھی یہی بات ہے۔

تحقیق یہی ہے کہ شب براءت کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے البتہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات میں تفصیل ضرور موجود ہے۔ اگر چہ وہ روایات باعتبار سند کے ضعیف ہیں لیکن تعدد طرق اور متعدد روایات سے ان کو ایک طرح کی قوت حاصل ہوجاتی ہے۔ اسلئے بہت سے مشائخ عظام اور کبار محدثین نے ان کو قبول کیا ہے۔ کیونکہ ضابطہ ہے فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر بھی عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

(۱) حضرت علیؓ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! کہ جب شعبان کی پندھرویں شب ہو پس اس رات میں قیام کرو۔ (نماز پڑھو) اور دن کو روزہ رکھو۔ کیونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی تجلی آفتاب کے غروب ہونے کے وقت سے ہی آسمان دنیا پر ظاہر ہوتی ہے۔ وہ فرماتا ہے خبردار! کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ اسے بخش دوں۔ خبردار! کوئی رزق لینے والا ہے کہ اسے رزق دوں۔ خبردار! کوئی مصیبت زدہ ہے کہ اسے چھوڑ دوں خبردار! کوئی فلاں فلاں حاجت والا ہے۔ طلوع صبح صادق تک اللہ تعالے (کما فی شانہ) آواز لگاتے رہتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شب براءت کو اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کیا کرو اور شب براءت کے بعد دن کو روزہ رکھو۔ چونکہ اس رات میں سورج غروب ہونے سے لے کر صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی تجلی (نور کا پرتو) آسمان دنیا پر نازل ہوتی ہے اس لیے خدا تعالے فرماتے ہیں کہ کوئی مجھ سے بخشش مانگنے والا ہے کہ اسے بخش دوں، اور کوئی مجھ سے رزق کا طالب ہے؟ کہ اسے رزق سے مالا مال کر دوں، کیا کوئی شخص مصیبت میں مبتلا ہے؟ کہ میں اسے اس سے خلاصی و چھٹکارا عطاء کر دوں، اسلئے مختلف حاجات ضروریات انسانی کا نام لے لے کر خدا تعالے پکارتے رہتے ہیں۔

(۲) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! تحقیق اللہ تعالے شعبان المعظم کی پندھرویں شب کو طلوع فرماتے ہیں، پس سوائے مشرک اور کینہ پرور کے اپنی ساری مخلوقات کو بخشتا ہے۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث کا ایک تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالے اپنی ساری مخلوق کو بخش دیتا ہے، چاہے وہ کتنے بھی معاصی اور گناہوں کے مرتکب ہو چکے ہوں سوائے دو قسم کے لوگوں کے ایک تو مشرک ہے (جو اللہ تعالے کے ساتھ سراً و علانیاً شرک جلی و خفی بہر نوع شریک ٹھہراتا ہے) انکی بخشش نہیں ہوتی۔ دوسرے کینہ ور کو نہیں بخشتا۔

(۳) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو نہ پایا پھر ناگہاں وہ بقیع (مدینہ منورہ کا قبرستان) میں پائے گئے، تب آپ ﷺ نے فرمایا! (اے عائشہ) کیا تمھیں اس بات کا ڈر تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! خیال ہوا کہ آپ ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے ہونگے، تب آپ ﷺ نے فرمایا! تحقیق اللہ تعالے شعبان کی پندھرویں شب کو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ (کما فی شانہ)

پس قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی گنتی سے بھی زیادہ لوگوں کو بخشتا ہے۔امام ترمذی فرماتے ہیں یعنی جولوگ دوزخ کے مستحق ہو چکے ہوں۔(ترمذی)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیان شب میں آنحضرت ﷺ قبرستان میں تشریف لے گئے،معلوم ہوا کہ رات کو قبرستان میں جانا بھی جائز ہے۔حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں پندھرویں شب شعبان میں مردوں کیلئے قبرستان جاکر دعا،استغفار کرنا مستحب ہے۔فتاوی عالمگیری میں ہے! زیارت قبور کے افضل دن چار ہیں،،پیر،جمعرات،جمعہ،ہفتہ،اسی طرح متبرک راتوں میں زیارت قبور افضل ہے بالخصوص شب براءت۔

تنبیہ: آنحضور ﷺ اکیلے قبرستان تشریف لے گئے تھے اسلئے جتھہ بندی اور مجمع وگروہ کی شکل وہیئت بناکر نہ جائیں،اور فاتحہ خوانی کر کے چلتے بنیں،اور وہ بھی صرف مرد جائیں خواتین کا قبرستان میں جانا جائز نہیں اور اس رات کو قبرستان جانا فرض وواجب بھی نہیں اور یہ عقیدہ رکھنا بھی درست نہیں۔

اور اس رات اللہ تعالے بہت سے لوگوں کی بخشش کرتے ہیں جن کی کثرت کو قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ظاہر فرمایا۔

(۴) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ تمھیں معلوم ہے کہ اس رات میں کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس رات میں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! جو بچہ اس سال پیدا ہونا ہوتا ہے وہ اس رات میں لکھا جاتا ہے اور اس سال میں جو بنی آدم ہلاک ہونا ہوتا ہے اس کا نام اس رات میں لکھا جاتا ہے،اور اس رات میں ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔اور اسی رات میں ان کے رزق نازل ہوتے ہیں،تب صدیقہ عائشہؓ نے عرض کیا کوئی بھی ایسا جو اللہ تعالے کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل ہو؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالی کی رحمت کے بغیر جنت میں جاسکے،(تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ کلمہ فرمایا،) میں نے عرض کیا آپ بھی اللہ تعالی کی رحمت کے بغیر جنت میں نہ جاسکیں گے؟ پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر فرمایا! اور میں بھی نہیں جاسکوں گا،مگر اس صورت میں کہ اللہ تعالے مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے،(آپ نے یہ کلمہ تین مرتبہ فرمایا)(دعوۃ الکبیر)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس رات میں آئندہ پیدا ہونے والوں کی فہرست لکھی جاتی ہے،اور اسی رات میں آئندہ مرنے والوں کی فہرست بھی لکھی جاتی ہے،اس رات انسانوں کے اعمال باری تعالی کے حضور پیش کیے جاتے ہیں،اس رات انسانوں کے رزق کا اندازہ کیا جاتا ہے،جو ملائک عظام اس کام پر متوکل ہیں ان کے سپرد کر دیا جاتا ہے،اس لئے اس رات کا ایک نام لیلۃ الصک بھی ہے یعنی

دستاویزات والی رات، اور کوئی جن وبشر اللہ تعالےٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

شب براءت میں نظرِ رحمت سے محروم رہنے والے لوگ

(۱) اللہ تعالےٰ کے ساتھ کوئی معبود ٹھہرانے والا (۲) کینہ رکھنے والا (۳) کسی انسان کو ناحق قتل کرنے والا (۴) بدکار عورت (۵) قطع رحمی کرنے والا () رشتہ ناطہ توڑنے والا) (۶) تہبند، پاجامہ، ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا (۷) والدین کا نافرمان (۸) شراب خوری کی عادت رکھنے والا وغیرہ، وغیرہ

ایسے لوگوں کیلئے یہ مقام عبرت ہے کہ وہ سب کچھ پڑھنے اور سمجھنے کے باوجود بھی اپنے ردی اخلاق، خصائل ذمیمہ، اوصاف شنیعہ اور دیگر قسم کی گھٹیا روحانی و باطنی بیماریوں میں ملوث ہوں۔ اس لئے ایسے حضرات سے الدین النصیحہ کے طور پر گذارش ہے کہ اپنے بُرے افعال سے توبہ کریں، اور اللہ تعالےٰ کو راضی کرکے اس کے خاص میں شامل ہوں، کیونکہ زندگی موت کی امانت ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس شب میں بیدار رہ کر خواہ جلوت میں ہو یا خلوت میں افضل ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح اس مبارک رات کے بیش بہا فضائل و برکات معلوم ہوئے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کیلئے اس رات میں اعمال ذیل مسنون ہیں، (۱) رات کو جاگ کر نماز پڑھنا اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہنا (۲) اللہ تعالیٰ سے مغفرت، عاقبت اور اپنے مقاصد دارین کی دعا مانگنا، اکابرِ اہلِ سنت کا ہمیشہ سے اس رات میں شب بیداری کا معمول رہا ہے۔

شب براءت میں بدعات

شب براءت میں بہت سی بدعات اور رسومات کیجاتی ہیں، مثلاً آتش بازی، کتنے ہی مسلمان ہیں جو لاکھوں روپے آتش بازی کی رسم میں گنوا بیٹھتے ہیں، اس میں ضیاعِ وقت و زیانِ مال ہے، جو اسراف کے زمرے میں آتا ہے، شریعت نے اسراف کو ناجائز اور حرام قرار دیا۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین: بلاشبہ فضول خرچ شیاطین کے بھائی ہیں،، اور بھی بہت ساری رسومات ہیں، مسجدوں اور مکانوں پر تیز روشنیوں کا اہتمام کیا جاتا ہے گلی محلے برقی لائٹوں سے مزین کر دیے جاتے ہیں، خواتین گھروں میں عمدہ اور لذیذ کھانے تیار کرتی ہیں حالانکہ اس شب کا ایسا کوئی بھی کام شریعت سے ثابت نہیں، مردوں اور عورتوں کو مذکورہ خرافات و فضولیات سے بچنا چاہیے، اور زیادہ سے زیادہ اللہ تعالےٰ کی عبادت اور رسول اللہ کی اطاعت میں وقت گذار دینا چاہیے اللہ تعالےٰ توفیقِ عمل نصیب فرمائے (آمین)

....

عقیدۂ توحید...... تقاضائے فطرت

حضرت مولانا محمد جہانگیر صاحب مدظلہ

ان تمام عقائد و اعمال میں جو مدار نجات اور فلاح دارین کی اساس ہیں سب سے اوّل درجہ توحید کو حاصل ہے۔ توحید اور شرک دو متقابل عقیدوں کے نام ہیں، اور ان میں سے ہر ایک اپنے جز وکل کے ساتھ دوسرے کی ضد ہے۔ کسی انسان کے عقیدہ و مسلک میں شرک کے جتنے اجزا پائے جائیں گے اسی قدر اجزا توحید سے وہ محروم ہوگا۔ توحید کامل سے مشرف ہونے کے معنی یہ ہیں کہ شرک کے تمام اجزاء سے قطعاً دامن کش ہے۔ اس لیے توحید سے باخبر ہونے کے لیے شرک کی حقیقت سے واقفیت نہایت ضروری ہے تاکہ اس سے بچنے میں کسی دھوکہ اور فریب کا شکار نہ ہو سکیں۔

شرک کے معنی:

شرک کے معنی یہ ہیں کہ کسی مخلوق میں خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان، نفع و ضرر کی مستقل قدرت مان کر اس کی عبادت کی جائے اور تاثیر و تصرف کا مکمل مختار سمجھ کر اس سے فوق الاسباب امور میں مدد چاہی جائے۔ بذیل اسباب کسی سے مدد لینا مثلاً بوقت پیاس نوکر سے پانی طلب کرنا اور بحالت مرض طبیب و ڈاکٹر سے علاج کرانا اور بصورت مصیبت کسی تعاون کا چاہنا یہ سب شرک نہیں۔

شرک کے ارکان:

مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ کو بامید نفع و دفع مضرت پکارنا اس لیے شرک ہے، کہ اصل میں شرک کے بنیادی طور پر تین ستون ہیں۔

(۱):۔ پکارنے والے کو یہ یقین ہوتا ہے کہ میں جس کو پکار رہا ہوں وہ میری باتوں اور ضرورتوں سے باخبر ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کو عالم الغیب اور جو ہو چکا اور جو ہونے والا ہے اس کا جاننے والا مان رکھا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے فرمایا ہے کہ یہ مرتبہ علم سوائے خدا کے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: وھم عن دعائھم غافلون (اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی)

(۲):۔ یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جس کو پکارا جا رہا ہے وہ حالتوں کو دیکھتا اور آوازوں کو سنتا

ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو حاضر ناظر سمجھا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی یہ درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ قرآن کریم میں ہے: ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم (اگر تم ان کو پکارو تو وہ سنیں نہیں تمہاری پکار، اور اگر سن بھی لیں تو نہ پہنچ سکیں تمہارے کام پر)

(۳):۔ یہ تصور ہوتا ہے کہ جس کو پکارا جا رہا ہے وہ نفع دینے اور تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ حالانکہ آسمانوں اور زمینوں میں ہر چیز اللہ ہی کی ملک اور تصرف میں ہے۔ تو پھر سوائے خدا کے کسی کو کیسے نفع و ضرر کی قدرت حاصل ہے۔ فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا (سو ان کو اختیار نہیں ہے کہ تمہاری پریشانیوں کی گرہ کھول دیں یا اس کو بدل ڈالیں۔

حضرت تھانویؒ کی تحقیق:

پھر جس کو پکارا جا رہا ہے اس کے بارے میں شرک کے لیے یہ عقیدہ ضروری نہیں ہے کہ اس کو قدرت و اختیار ازل سے اور بغیر کسی کے دیئے حاصل ہے۔ بلکہ اگر عطاء خداوندی بھی مانا جاتا ہو تب بھی شرک ہے بشرطیکہ یہ خیال ہو کہ میرے پکارنے پر مدد کرنے کے لیے مزید اذن و مشیت خداوندی کی ضرورت نہیں۔ حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ لکھتے ہیں "اور مستقل بالتاثیر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام اس کے سپرد ایسے طور پر کر دیئے ہیں کہ وہ اس کے نافذ کرنے میں حق تعالیٰ کی مشیت خاصہ کا محتاج نہیں ہے، گو اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ اس کو اس کی تفویض و اختیارات سے معزول کر دے"۔ (امداد الفتاویٰ صفحہ ۸۰ جلد ۴)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق:

شرک کی حقیقت کے سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی بڑی ہستی میں عجیب و غریب کرامات دیکھے اور یہ اعتقاد کر لے کہ یہ آثار جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں کسی دوسرے میں ہرگز نہیں پائے جا سکتے یہ بزرگ شخصیت چونکہ صفات کمال سے متصف ہیں اور یہ آثار اس میں اس لیے پائے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو الوہیت کی خلعت سے نوازا ہے یا اس بزرگ نے فنافی اللہ کا مقام حاصل کر کے اپنی ذات کو بالکل مٹا دیا ہے۔ اب اس سے جو کام بھی صادر ہوتا ہے گویا کہ خدا کرتا ہے۔ اسی جیسی اور کئی معتقدات اس معتقد کے ذہن میں آتی ہیں۔

......حضرت شاہ صاحبؒ اسی بارے میں مزید بحث کرتے ہوئے اگلے صفحہ پر تحریر فرماتے

ہیں: ان شرک کی قسموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگ بیمار کی شفاء، فقیر کی غناء وغیرہ اپنی حاجتوں میں غیر اللہ سے مدد چاہتے اور ان کے ناموں کی منتیں مانا کرتے ہیں تاکہ انہیں ان منتوں کی وجہ سے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہو اور حصول برکت کی امید میں ان کے ناموں کو پڑھتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب کر دیا کہ نمازوں میں "ایاک نعبد و ایاک نستعین" پڑھا کریں (یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو (حجۃ اللہ البالغہ، صفحہ ۶۱۔ ۶۲)

استعانت اور توسّل:

حاصل یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی کی بھی عبادت یا اس سے دعاء مانگنا یا ان دونوں باتوں کو جائز سمجھنا کھلا ہوا شرک ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ طلب دعاء ہو یعنی یہ درخواست کی جائے کہ اللہ تعالیٰ سے ہماری فلاں حاجت کے پورا ہونے کے لیے دعاء کیجئے تو اس بارے میں حکم یہ ہے: اور دوسرے یہ کہ مخلوق سے دعاء کی درخواست کرنا اور یہ ایسے شخص کے حق میں جائز ہے جس سے دعاء کی درخواست ممکن ہے اور یہ امکان میت میں کسی سے ثابت نہیں، اس لیے اس کا جواز زندہ کے ساتھ خاص ہوگا۔ (امداد ص ۱۰۷)

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی وسیلہ اور طفیل سے دعاء کرنا کہ خداوند فلاں عمل یا فلاں بزرگ کی برکت سے میری دعاء قبول ہو اور حاجتیں پوری ہوں، یہ صورت جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ جن لوگوں کے نزدیک یہ صورت بھی جائز نہیں ان کے خلاف دلیلیں موجود ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے: اور تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنا اس مقبول مخلوق کی برکت سے اس کو جمہور نے جائز رکھا ہے اور ابن تیمیہ نے اور ان کے اتباع نے اس سے منع کیا ہے (امداد ص ۱۰۷)

توسّل کے دلائل:

مثلاً ابن ماجہ باب صلوۃ الحاجۃ میں ایک حدیث حضرت عثمان بن حنیفؓ سے مروی ہے جس میں کہا آنحضرت ﷺ نے ایک نابینا کو اس کی درخواست پر دعاء سکھلائی کہ بعد وضو دو رکعت پڑھکر یہ الفاظ دعاء کرے "اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ حضرت محمد ﷺ نبی رحمت کے۔ اے محمد میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ پوری ہو جائے۔ اے اللہ آپ ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ اسی طرح طبرانی کبیر میں عثمان بن حنیفؓ ہی سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمانؓ کی خدمت میں

حاضر ہوتا تھا لیکن آپ اس کی طرف التفات نہ فرماتے تھے۔ اس نے راوی حدیث عثمان بن حنیفؓ سے ذکر کیا انہوں نے حدیث بالا میں مذکور الفاظ دعا سکھلا کر کہا کہ مسجد نبوی میں حاضر ہو کر یہ دعاء پڑھ۔ اس نے ایسا ہی کیا اور پھر حضرت عثمانؓ (امیر المومنین) کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کی بہت تعظیم وتکریم کی۔

ان دونوں روایتوں سے توسل بالنبی کا ثبوت ملتا ہے۔ پہلی حدیث میں توسل ﷺ آپ کی حیات میں ہوا، اور دوسری میں بعد وفات۔ باقی یا محمد کے لفظ سے ندا غیب کا شبہ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ پہلی روایت میں واقعہ آپ ﷺ کے سامنے کا ہے اور دوسری روایت میں یہ لفظ مسجد نبوی میں کہے گئے۔ بہر دو صورت ندائے حضور ﷺ ہے نہ کہ ندائے غیب۔

اس کے علاوہ بھی ایک روایت مشکوٰۃ شریف میں بروایت حضرت انسؓ ہے کہ لوگ جب قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمرؓ اس طرح دعا کیا کرتے "اے اللہ ہم (پہلے) آپ کے دربار میں اپنے نبی ﷺ کا توسل کیا کرتے تھے تو آپ ہمیں بارش دیدیتے تھے۔ اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر ﷺ کے چچا کا توسل کرتے ہیں سو ہم کو بارش دیجیے، چنانچہ بارش ہو جایا کرتی۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ توسل بغیر النبی کے جواز کے لیے حضرت عمرؓ نے ایسا کیا تھا نہ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ سے بعد وفات توسل جائز نہیں تھا۔ توسل کی بحث نہایت مفید تفصیل کے ساتھ حضرت تھانویؒ کی کتاب نشر الطیب صفحہ ۲۱۶ میں اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی کتاب معارف القرآن جلد اول تفسیر سورۃ فاتحہ میں مذکور ہے۔

مشرکین عرب کا شرک:

بہر حال غیر اللہ کی عبادت اور مدد کے لیے اس کو پکارنا اور دعائیں کرنا قطعی طور پر شرک ہے۔ لیکن شرک کے لیے یہ ہرگز لازم نہیں ہے کہ جس کو پکارا جائے اسی کو کائنات کی تخلیق اور آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت اور ان کے اندر تصرف کی قدرت میں اللہ تعالیٰ کا شریک وسہیم مانا جائے۔ اس لیے کہ مشرکین عرب یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مانتے تھے۔ بلکہ بارش برسانا اور رزق پہنچانا موت وحیات، یہ سب خداوندی قدرت کے ہی کرشمے سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کو شرک کہا گیا۔ قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو درج ذیل آیتوں سے اس بات کی بخوبی تصدیق ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ ولئن سألتهم من خلق السموات والارض وسخر الشمس والقمر ليقولن الله فانى يؤفكون۔ (سورۃ عنکبوت) اور اگر آپ ان لوگوں سے پوچھیں کہ کس نے

آسمان اور زمین بنائے اور کس نے کام میں لگایا ہے سورج اور چاند کو تو ضرور کہیں گے کہ خدا نے، پھر کہاں الٹے جاتے ہیں۔

ولئن سألتهم من نزل من السماء ماء فاحيا به الارض من بعد موتها ليقول الله قل الحمد لله بل اكثرهم لا يعقلون۔ (سورۃ عنکبوت) (اور اگر آپ ان مشرکوں سے پوچھیں کس نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کیا زمین کو اس کے مرنے (خشک ہونے) کے بعد تو ضرور کہیں گے اللہ نے تو کہہ دیجیے کہ سب خوبی اللہ کی ہے مگر بہت لوگ نہیں سمجھتے۔

قل من يرزقكم من السماء والارض امن يملك السمع والابصار ومن يخرج الحي من الميت ويخرج الميت من الحي ومن يدبر الامر فسيقولون الله فقل افلا تتقون۔ (سورۃ یونس) (آپ کہیے کہ کون رزق دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے، کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے۔ اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی؟ تو بول اٹھیں گے اللہ، تو آپ کہہ دیجیے کہ پھر تم ڈرتے نہیں ہو)

قل لمن الارض ومن فيها ان كنتم تعلمون سيقولون الله قل افلا تذكرون۔ قل من رب السموات السبع ورب العرش العظيم سيقولون الله قل افلا تتقون۔ قل من بيده ملكوت كل شئ وهو يجير ولا يجار عليه ان كنتم تعلمون سيقولون الله قل فانى تسحرون۔ (سورۃ مومنون) (آپ کہہ دیجیے کس کی ہے زمین اور جو کچھ بھی اس میں ہے، بتاؤ اگر تم جانتے ہو، یہ کہہ دیں گے سب کچھ اللہ کا ہے، تو کہہ دیجیے کہ پھر تم سوچتے نہیں ہو؟ آپ (یہ بھی) کہیے کہ کون مالک ہے ساتوں آسمانوں کا اور مالک بڑے عرش کا تو یہ بتائیں گے کہ اللہ ہے، آپ کہہ دیجیے کہ پھر تم ڈرتے نہیں؟ (اسی طرح) آپ کہیے کہ کس کے ہاتھ میں ہے اختیار ہر چیز کا اور وہ بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا، تو یہ کہیں گے کہ اللہ ہے، تو آپ کہہ دیجیے کہ پھر کہاں سے تم پر جادو آپڑتا ہے۔

مشرکین عرب کے اعمال خیر:

اس کے علاوہ مشرکین بہت سے اعمال خیر بھی کیا کرتے تھے۔ مثلاً نماز پڑھتے تھے، زکوٰۃ دیتے تھے، روزہ رکھتے تھے، اسی طرح عقیقہ کا بھی ان کے یہاں رواج تھا۔ حج، عمرہ اور اعتکاف بھی کیا کرتے تھے۔ مُردوں کی تدفین، ختنہ اور غسل جنابت بھی ان کے یہاں معمول تھا۔ یہ سب باتیں کتب حدیث کے مطالعہ کے بعد سامنے آتی ہیں۔

وہ بتوں کی پرستش ضرور کرتے تھے بلکہ خانہ کعبہ میں ہی تین سو ساٹھ بت نصب کر رکھے تھے لیکن ان کے بارے میں جو تصور ان کا تھا قرآن حکیم نے اس کو یوں بتلایا ہے۔ ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی ' (ہم ان بتوں کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے) مگر چونکہ عبادت و تذلل بہر حال خدا کے لیے خاص ہونی چاہیے جو وہ بتوں کے سامنے کرتے تھے۔ اس لیے ان کو شرک کہا گیا، اور اسی شرک کے بارے میں صفائی کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے لیکن شرک قطعاً معاف نہ ہوگا۔ ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء۔ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہیں کرینگے کہ ان کے ساتھ شریک کیا جاوے (ہاں) اور (گناہ) اس کے علاوہ ہونگے تو ان میں جس کو چاہے گا معاف کر دے گا۔

بہر حال جزوی طور پر کائنات میں تصرف کی قدرت و اختیار کو ان بتوں کی طرف منسوب کرنے کو ہی اسلام نے دوسرا الٰہ تجویز کر لینا قرار دیا ہے، جو کھلا شرک ہے۔ اسلام نے اس کے مقابلہ میں جو عقیدہ دنیا کو دیا ہے اس کا نام توحید ہے، اور اس کے بارے میں ایسی اور صاف اور مدلل ہدایتیں دی ہیں کہ کوئی شوشہ شرک کا باقی نہیں رہا۔ توحید فی العقیدہ کے ساتھ توحید فی العبادات کا بھی مطالبہ کیا ہے۔ قرآن حکیم نے نہایت واضح اور ناقابل تردید دلائل و شواہد سے وحدت الٰہ اور وحدانیت خداوندی کو ثابت کیا ہے۔

دلائل توحید:

جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی کام خواہ کتنا ہی معمولی ہو بغیر کسی کے کیئے اور بلا کسی سبب کے نہیں ہوتا۔ جب بھی کوئی چیز موجود ہوگی خواہ اس کا وجود حسی ہو یا معنوی اس کی موجودگی کے لیے کوئی نہ کوئی محرک ضرور ہوگا۔ یہ ایسی بدیہی بات ہے کہ اس کو ثابت کرنے کے لیئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ دعویٰ خود ہی اپنی دلیل ہے۔

دلیل اول:۔ اور یہ اس بات کی بھی حجت ہے کائنات کا یہ زبردست اور نہایت مرتب نظام خلق و امر بغیر کسی قادر اور قاہر کے ہرگز نہیں چل رہا ہے۔ کروڑہا کروڑ چاند ستارے اور سورج آسمان کے نیچے فضا میں تیر رہے ہیں، اور ہر ایک میں کروڑوں میل کا فاصلہ ہے، اور ہر ایک کی رفتار کا طول و عرض اور اس کا ڈھنگ مختلف ہے، پھر ان میں سے بعض کے اثرات محسوس ہیں کہ کہیں ان کی وجہ دن ہے تو کہیں رات۔ اور بعض کے اثرات غیر محسوس و مشاہد ہیں لیکن اس وسعت و کثرت اور عظمت قوت کے باوجود ہر ایک کو اپنی جگہ اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ اپنی جگہ سے ہلنے کی کسی میں بھی تاب

نہیں ۔ (لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر و لا الیل سابق النہار، و کل فی فلک یسبحون) "یٰس" (نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور ہر ایک، ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں)۔ اگر ایک پتہ بھی بغیر ہلائے خود سے نہیں ہلتا تو اتنی وسیع و عریض اور عظیم و جلیل کائنات کا نظام خود بخود بغیر کسی قوت کی کارفرمائی کے کیسے چل سکتا ہے۔ رات اور دن کی آمد و رفت، ستاروں اور چاند و سورج کا طلوع و غروب، پانی کی ریل اور ہواؤں کی سیر، بارش کا برسنا اور پودوں کا اُگنا، یہ سب کچھ از خود بغیر کسی کے خلق و امر کے ماننا دنیا کی سب سے بڑی حماقت اور دیوانگی ہے۔ سمجھداروں کو ان مشاہدات کی وجہ سے یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ حکیم مطلق جو زبردست ہے علم و قوت کا بھی مالک ہے اور صاحب قدرت و اختیار بھی ہے، اس جہان میں ہر طرف ظہور اسی کی تخلیق و تصرف کا کرشمہ ہے۔ "ان فی خلق السمٰوٰت والارض و اختلاف الیل والنہار لاٰیات لاولی الالباب (آل عمران) بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کے الٹ پھیر میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔

دلیل دوم: بارش ہوتی ہے، کوئی کہے کہ اس میں کسی کی قدرت کو دخل نہیں کیونکہ سمندروں میں فضاء کے خاص اثر سے ہیجان پیدا ہوتا ہے تو وہاں سے مان سون اُٹھتے ہیں اور ایک خاص بلندی پر پہنچ کر وہاں کی خنکی سے متاثر ہو کر بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، پھر ہوائیں ان بادلوں کو لے کر چلتی ہیں، جب تک ان بادلوں میں چلنے کی سہار ہوتی ہے چلتے ہیں اور جہاں طاقت ختم ہو جاتی ہے برس جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے مان سون اُٹھتے ہی رصدگاہوں سے پیشین گوئی کر دی جاتی ہے کہ فلاں وقت فلاں جگہ بارش ہوگی۔ لیکن بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ ہواؤں کا رخ بدل جاتا ہے اور بادل دوسری سمت جا کر برس جاتے ہیں، سوال یہ ہے کہ چلتی ہواؤں کو کس نے لگام دیا اور کس نے دوسری جانب ان کو چلنے پر مجبور کیا۔ یہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ بغیر سبب از خود کوئی کام نہیں ہوا کرتا، تو اس لیے قرآن حکیم نے بتا دی ہے۔ "واللّٰہ الذی ارسل الریح بشراً بین یدی رحمتہ حتیٰ اذا اقلت سحاباً ثقالاً سقنہ لبلد میت فاحیینا بہ الارض بعد موتہا (فاطر) اور اللہ ایسا قادر ہے جو بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے، پھر وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر اس بادل کو خشک قطعہ زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر ہم اس کو پانی کے ذریعہ سے زمین کو زندہ کرتے ہیں بعد اس کے خشک ہو کر مر جانے کے۔ "وانزلنا من السماء ماءً بقدر فاسکنہ فی الارض وانا علی ذھاب بہ لقادرون" (مؤمنون) ترجمہ: اور ہم نے آسمان کی طرف سے مناسب مقدار کے ساتھ پانی برسایا، پھر ہم نے اس کو

مدت تک زمین میں ٹھہرایا، ہم اس پانی کو معدوم کردینے پر بھی قادر ہیں۔ "وھو الذی انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ نبات کل شیء فاخرجنا منہ خضرا نخرج منہ حبا متراکبا، ومن النخل من طلعھا قنوان دانیۃ وجنت من اعناب والزیتون والرمان مشتبھا وغیر متشابہ، انظروا الی ثمرہ اذا اثمر وینعہ، ان فی ذالکم لآیات لقوم یؤمنون" (الانعام) ترجمہ: اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے آسمان کی طرف سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات کو نکالا، پھر ہم نے اس کی سبز شاخ نکالی کہ اس سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں، اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گچھے میں سے خوشے ہیں جو (بوجھ کے) نیچے کو لٹکے جاتے ہیں، اور اسی پانی سے ہم نے انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار کے درخت پیدا کیے جو کہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے، ذرا ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور پھر اس کے پکنے کو دیکھو، ان میں بلاشبہ دلائل توحید کے موجود ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لانے کی فکر کرتے ہیں۔

دلیل سوم: زمین میں ندیاں نہریں اور دریا بہتے ہیں، ان میں کبھی پانی زیادہ ہوتا ہے اور کبھی کم۔ پھر دریاؤں کے بہاؤ کی جگہیں اور رخ بھی بدل جاتے ہیں، لیکن جس سمندر میں یہ سب ندیاں اور دریا جا کر گرتے ہیں اس میں نہ اضافہ ہوتا ہے نہ کمی اور نہ اس کی جگہ میں تغیر و تبدیلی ہوتی ہے۔ دو سمندروں کے درمیان کی زمین جس کی ان عظیم سمندروں کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں دونوں کے ملنے میں برابر رکاوٹ بنی رہتی ہے۔ تو کیا کمزور زمین کا دو طاقتور سمندروں کے مقابلے میں جمے رہنا بغیر کسی غالب قوت کے تصرف کے ممکن ہو سکتا ہے؟۔ "امن جعل الارض قرارا وجعل خلالھا انھارا وجعل لھا رواسی وجعل بین البحرین حاجزا" ترجمہ: یا وہ ذات بہتر ہے جس نے زمین کو مخلوق کے لیے جائے قرار بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس زمین کے ٹھہرانے کے لیے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان ایک حد فاصل بنائی۔

یہ ناقابل تردید حقائق و شواہد اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ایک ذات ہے جو پوری کائنات کی خالق اور نظم عالم کی مدبر ہے اور وہی رازق اور رب ہے۔ "تولج اللیل فی النھار وتولج النھار فی اللیل، وتخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی، وترزق من تشاء بغیر حساب" (آل عمران) ترجمہ: (خداوندا) آپ رات کے اجزا کو دن میں داخل کرتے ہیں اور بعض فصلوں میں دن کے اجزا کو رات میں داخل کرتے ہیں۔ اور آپ جاندار چیزوں کو بے جان سے

***

نکالتے ہیں (جیسے انڈے سے بچہ) اور بے جان چیز کو جاندار سے نکالتے ہیں (جیسے پرندے سے انڈہ) اور آپ جس کو چاہتے ہیں بے شمار رزق دیتے ہیں۔

مادہ نہ اصل ہے اور نہ قدیم:

بعض الحاد پسند اور دہریت زدہ لوگ جن کو عقیدۂ توحید سے ایسی کد ہے کہ احمقانہ بات کو قبول کرلیں لیکن دین پیغمبری کے بنیادی عقیدۂ توحید کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ اس پوری کائنات کا مبدأ مادہ (میٹر) ہے اس کی حرکت اور مختلف انواع تغیرات ہی کی یہ تصویریں ہیں جو ہمہ اقسام کی مخلوقات وموجودات کی شکل میں مشاہد ہوتی ہیں۔ پھر چونکہ مادہ کو مخلوق ماننے سے کسی خالق کا ماننا لازم آتا ہے اس لیے اس کو قدیم ماننا یعنی یہ کہ وہ ہمیشہ سے ہے۔ مگر سوال یہ ہے اگر یہی حقیقت عالم کی ہے جو وہ مادہ کے تغیرات اور حرکات ہیں تو پھر مادے کے ساتھ عالم اور کائنات کو بھی قدیم ماننا پڑے گا۔ حالانکہ وہ خود بھی سائنسی مشاہدہ کی بناء پر یہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ کائنات کی ہر چیز حادث ہے نہ ہمیشہ سے ہے اور نہ ہمیشہ رہنے والی ہے بلکہ کائنات کی توانائی گھٹ رہی ہے بالآخر ایک دن فنا ہو جائے گی۔ تو کائنات کو حادث ماننے کی صورت میں مادہ کو قدیم سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ وہ حادث ہوا تو اس کو مخلوق اور کسی کو خالق مانے بغیر چارہ نہیں۔

خالق اور اسباب خلق:

اگر غور کیا جائے تو اس باب میں لوگوں کو دھوکہ ہوا ہے۔ دھوکہ کی حقیقت ایک ہے، مگر اس کے مظاہر مختلف ہیں۔ جن چیزوں کو خالق سمجھا ہے یہ تو مجملہ آلات اسباب خلق ہیں۔ جیسے گھڑی کے پرزے اور ملوں فیکٹریوں کی کلیں جو ایک دوسرے کی حرکت کا اثر قبول کر کے خود بھی متحرک ہو جاتی ہیں یا جیسے لوہار اور بڑھئی کے ہاتھ میں آلات حرفت موجود ہیں، بلکہ محرک اور موجد کسی با اختیار انسان کو مانا جاتا ہے۔ یہی حال اس کائنات کا بھی ہے کہ خالق اور موجد ومدبر ایک ذات والا صفات ہے باقی سب اسباب خلق ہیں خود خالق نہیں۔

مخلوق کی بُرائی خالق کا عیب نہیں:

لیکن اچھی اور بُری چیزوں سمیت پوری کائنات کا خدا کو خالق ماننے سے یہ سمجھنا کہ بُری چیزوں کے خلق کی بُرائی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگی، غلط ہے۔ کیونکہ جس طرح ناپاک چیز کی ناپاکی کا اثر صرف اس کی جگہ پر پڑتا ہے اس ناپاکی پر پڑنے والی دھوپ اور روشنی پر نہیں پڑتا۔ اور اچھے

والی دو شخصیوں میں سے ایک کے بُرے ناچ کی اور پردہ فلم پر کسی ایکٹر کے گندے افعال و حرکات کی برائی اور گندگی کو پس پردہ پتلیوں کو نچانے والے اور فلم بنانے والے ڈائریکٹر اور ہدایت کار کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ ایک پتلی کا ناچ خراب تھا اور ایکٹر کا کردار گندہ تھا، اسی طرح کائنات کی گندگی اور بُری چیزوں کی طرف تو ہوگی لیکن خالق کائنات کی طرف ہرگز نہیں ہوسکتی، بلکہ جس طرح دو ایکٹروں کے متقابل اچھی اور بُری حرکتوں کی وجہ سے فلم زیادہ دلچسپ اور دل کش ہوکر ڈائریکٹر کے حسن کار کا ثبوت پیش کرتی ہے اسی طرح کائنات کا یہ تنوع بھی خالق کائنات کے کمال خلق کی دلیل ہے۔

دلیل چہارم:

اس مضمون توحید کو اس طور پر سمجھا جاسکتا ہے کہ دنیا میں جو بھی چیز موجود ہے خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان اس کا وجود اصلی اور ذاتی معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ وہ نہ ہمیشہ سے ہے اور نہ ہمیشہ رہنے والی چیز ہے بلکہ وہ پہلے بھی پردہ عدم میں تھی اور بعد میں بھی معدوم ہوجائے گی۔ اگر اس کا وجود اصلی اور ذاتی ہوتا تو اس کے اوّل آخر عدم کیوں ہوتا۔ جس کا حاصل یہی ہے کہ ہر چیز کا وجود تو عارضی ہے مگر عدم اس کا اصلی اور ذاتی ہے۔ اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ہر چیز کا وجود کسی ایسی ہستی کا فیض ہے جس کا وجود اصلی اور ذاتی ہو اور اس کے وجود میں کسی اور کے فیض کو دخل نہ ہو۔ جیسے تمام روشن چیزوں کی روشنی ذاتی اور اصلی نہیں ہے بلکہ سورج کا فیض ہے۔ اور عالم اسباب میں یوں کہا جائے گا کہ سورج کی روشنی اس کی اصل اور ذاتی ہے کسی اور کا فیض نہیں ہے۔ ایسے ہی گرم پانی کی گرمی اس کی اصلی اور ذاتی نہیں کیونکہ وہ عارضی ہے، بلکہ یہ آگ کا فیض ہے جس کی گرمی بظاہر اسباب ذاتی اور اصلی ہے کسی اور کا فیض نہیں ہے۔

کائنات اور واجب الوجود:

اسی طرح کائنات کی ساری موجودات کے وجود کا سلسلہ جس موجود اصلی پر جاکر رک جاتا ہے اسی کو خدا اور اللہ اور رب کہا جاتا ہے۔

اور جب اس کا وجود اصلی اور ذاتی ہوا تو تمام کمالات علم و قدرت، سمع و بصر، رحم و ربوبیت بھی اصلی اور ذاتی ہوئے۔ اس لیے کہ یہ سب کمالات وجودی ہیں اور وجود کے تابع ہیں کسی معدوم کی طرف ان کی نسبت نہیں ہوسکتی۔

......باقی علم میں اصلی، بے کمالی، اور متانگی ہے، جو بھی کمال ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا......

فرسودہ ہے۔ لہذا خدا کی ذات غنی ہے اور اس کے سوا ہر چیز حاجت مند ہے، اور یہ بات طبعی ہے اور عقلی بھی کہ حاجت مند غنی اور نادر و مالک کے سامنے جھکے۔

دلیل وحدانیت:

یہاں یہ وضاحت بھی مفید معلوم ہوتی ہے کہ موجود اصلی کا ایک ہی ہونا ضروری ہے، ایک سے زیادہ موجود اصلی نہیں ہو سکتے، کیونکہ جب ہمارے کمزور وجود کے احاطہ میں کسی وجود کا دخل نہیں ہو سکتا تو اس موجود اصلی کے قوی وجود میں کوئی دوسرا موجود اصلی کیسے سما سکتا ہے، اس لیئے یہ لازم ہے کہ موجود اصلی ایک ہو اور ساری موجودات صرف اسی ایک وجود اصلی کا فیض ہوں، جیسے متحرک کشتی کے احاطہ میں نہ دوسری کشتی کے سمانے کی گنجائش ہے اور نہ ہی دوسری کشتی کی حرکت دخیل ہو سکتی ہے۔

کثرت الہ فساد کائنات کو لازم ہے:

پھر وہ موجود اصلی جس کو واجب الوجود اور خدا تعالیٰ کہا جاتا ہے اپنی ذات میں کامل ہے کسی نقصان کا اس میں امکان ہی نہیں ہے۔ اب مثلاً دو خدا مانے جائیں تو ساری کائنات کو نصفا نصف دونوں میں تقسیم شدہ ماننا پڑے گا۔ اس صورت میں ہر خدا کے لیئے بقیہ نصف کی کمی اور اس نصف میں اس کی عدم قدرت لازم آئے گی، اور ظاہر ہے کہ یہ بات نقصان اور عیب کی ہے اور خدا میں کسی عیب کا سوال ہی نہیں ہے۔

یا پھر ساری کائنات کو دونوں میں مشترک مانا جائے تو خرابی یہ ہوگی کہ موجود اصلی جس طرح اپنے وجود میں کامل ہے اسی طرح کائنات کی ہر چیز پر اس کا پرتو اور فیض بھی کامل ہو، اب مثلاً موجودات کا وجود، وجود اصلی کا فیض ہوتا ہے تو ہر وجود کو اس کی صلاحیت اور وسعت کے موافق کامل وجود ملتا ہے، گز بھر میں گز بھر اور بالشت بھر میں بالشت بھر۔

اور یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ ایک وجود کے احاطہ میں دوسرا وجود نہیں سما سکتا، جیسے ایک سانچے میں دو چیزیں اور ایک سیر کے برتن میں دو سیر سامان، اور ایک جوتے میں اسی کے برابر دو قدم نہیں سما سکتے۔ اگر اس کے لیئے زور و زبردستی کی گئی تو سوائے ٹوٹ پھوٹ کے اور کیا نتیجہ نکلے گا۔ اسی طرح دو وجود اصلی یعنی دو خدا مانے جائیں تو کائنات کا نظم کسی طرح برقرار نہیں رہ سکتا، ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ اسی کو قرآن حکیم نے کہا ہے "لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا فسبحن اللہ رب العرش عما یصفون" ترجمہ: اگر آسمانوں اور زمین میں سوائے اللہ کے اور بھی خدا ہوتے

تو یہ دونوں تباہ ہو جاتے۔ لہذا پاک ہے اللہ کی ذات جو عرش کی مالک ہے اور شرک سے جو یہ اس کے لیے کرتے ہیں۔

حاصل کلام:

اس تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ اس کائنات کا کوئی خالق اور مالک ہے۔ اور وہ صرف ایک ہے اور ساری کائنات اسی کی محتاج ہے، خاص طور پر انسان جو اشرف المخلوقات ہیں وہ اپنے حالات کے اعتبار سے سب سے زیادہ محتاج اس ذات کا ہے۔ اسلام اسی ذات واجب الوجوب کو اللہ اور سارے جہاں کا پروردگار کہتا ہے اور سارے انسانوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں۔"ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم" ترجمہ: بلاشبہ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، اس لیے تم اسی کی عبادت کرو۔

اور جیسا کہ شروع میں عرض کیا جا چکا ہے کہ کامل درجہ کی توحید صرف اسلام نے پیش کی ہے، اس لیے نجات وفلاح اسی میں ہے کہ اسلامی ہدایات واحکام کی بجا آوری کے لیے گردنیں جھکا دی جائیں۔"ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ" ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ یہی میرا راستہ سیدھا ہے لہذا تم اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ تم کو سیدھے راستے سے ہٹا دے۔

دائرہ اسلام میں رہنے والے کسی بھی فرد کے لیے بنیادی طور پر یہ بات لازم ہے کہ وہ صرف خدا کی عبادت کرے اور اسی سے اپنی حاجتوں میں مدد چاہے۔ یہ بات اتنی اہم ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں اسی کا اقرار کیا جاتا ہے"ایاك نعبد وایاك نستعین"

اس کی خلاف ورزی خواہ قول سے ہو یا فعل سے، اسلام میں اس کو شرک اور ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے قرآن حکیم کا یہ واضح اعلان ہے"ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالك لمن یشاء، ومن یشرك باللہ فقد ضل ضلالا بعیدا" ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کریں گے کہ ان کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس سے نیچے جو گناہ ہونگے ان میں سے جس کو چاہے گا معاف کردیگا اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ تو دور گمراہی میں جا پڑا۔

انبیاء کا معلم رب کائنات

[illegible]

انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی بشر سے کوئی علم نہیں حاصل کرتے بلکہ وہ امی اور ناخواندہ ہوتے ہیں لیکن اس ناخواندگی کے باوجود ان کا سینہ ذخیرۂ علم سے لبریز ہوتا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کا معلم خود اللہ رب العزت ہوتا ہے جو ظاہر و باطن، حاضر و غائب، قریب و بعید کی تمام چیزوں سے واقف ہے جس کے لیے ماضی، حال اور مستقبل کوئی معنی نہیں رکھتے۔

متعدد آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ ہی پڑھنا۔ سورۂ جمعہ میں مقاصد بعثت کو شمار کراتے ہوئے فرمایا گیا: ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ (۲) وہی ہے جس نے مبعوث کیا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی۔ (ترجمہ شیخ الہند) دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل (۱۵۷) سورۂ اعراف

وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہو اپنے پاس تورات اور انجیل میں (ترجمہ شیخ الہند) سورۂ علق میں صاف طور پر پیدا کرنے والے رب کے نام سے قرأت قرآن کی ابتدا کا حکم ہو رہا ہے: اقرا باسم ربک الذی خلق۔ (۱) پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا (شیخ الہند) اس آیت کی تفسیر میں متقدمین و متاخرین جملہ مفسرین باتفاق لکھتے چلے آئے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے قرأت کا حکم سن کر جواباً فرمایا: ما انا بقاری کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اسی طرح حدیث پاک میں نبی کی امیت کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا: عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب۔ (بخاری ۱/۲۵۳ و مسلم ۱/۳۴۷) ہم

[illegible] ....

مذکورہ بالا حدیث اور آیات قرآنیہ ظاہر کررہی ہیں کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ اب رہا یہ سوال کہ جب آپ امی تھے تو امت کے سامنے پیش کردہ علوم کہاں سے حاصل کیے تو اس کا جواب باری تعالیٰ نے یہ دیا: وانزل اللہ علیک الکتب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم (۱۱۳) نساء۔ اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا۔ (شیخ الہند)

یہ آیت اعلان کررہی ہے کہ آپ کو اللہ نے خود تعلیم دی تھی۔ اسی طرح جب قرآن کریم پر تدبر کی نگاہ ڈالی جاتی ہے اور احادیث شریفہ کا غور سے مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان میں احوال ماضیہ بھی ہیں، عہد حال کے احکام بھی اور اخبار مستقبلہ بھی، پھر یہ یقین کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ ہی نے تعلیم دی تھی جو ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کا یکساں علم رکھنے والا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم میں پیدا ہوئے تاریخ کو بھی اس سے انکار نہیں کہ اسے ان پڑھ ہونے پر فخر تھا اور چالیس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان بھی تعلیم و تعلم سے نا آشنا تھی لیکن جب اللہ نے نبی کو اپنی شاگردی میں لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین و آخرین کا علم عطا فرما دیا۔ ارشاد نبوی ہے: (اوتیت علم الاولین والآخرین) کہ مجھے اولین و آخرین کے علوم سے نوازا گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے جملہ علوم و معارف، حقائق و معانی کے دریا بہا دیے۔ ع

لقب امی ہے لیکن علم کا دریا بہاتے ہیں

آپؐ نے قرآن کی صورت میں جو دستورِ حیات پیش کیا ہے وہ علم کا ایک بحر ناپیدا کنار ہے، ما من شيء في العالم الا وهو في كتاب الله۔ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جو کتاب اللہ میں موجود نہ ہو۔ کسی شاعر نے قرآن کے حق میں سو فیصد درست کہا ہے:

جمیع العلم في القرآن لكن　　　تقاصر عنه افهام الرجال

تمام علوم قرآن میں موجود ہیں، لیکن کوتاہ فہمی کی وجہ سے لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

یہ تعلیم ربانی ہی کا فیض تھا کہ امی و ناخواندہ ہونے کے باوجود زبان رسالت سے نکلے ہوئے جملے فصاحت و بلاغت سے بھرپور، اصول زندگی پر حاوی اور زریں ہدایات پر مشتمل ہوتے تھے، کوزے میں دریا کے مصداق اور خیر الکلام ما قل ودل کے مصداق ہوتے تھے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انبیاء علیہم السلام "علم" اپنے مالک حقیقی سے حاصل کرتے ہیں اور وحیہ ... تحصیل علم میں کسی

انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ اب اگر کسی مدعی نبوت کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے ما سوا دنیا میں کوئی اس کا استاذ تھا تو اس کے دعویٰ نبوت کی عمارت کو مسمار کرنے کے لیے کسی اور ضرب کی ضرورت نہیں کیوں کہ یہ ایسی چوٹ ہے جو جھوٹی نبوت کے قصر باطل کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیتی ہے۔ اس کا اقرار بیسویں صدی کے آغاز یعنی ۱۹۰۱ء میں جھوٹی نبوت کا علم بلند کرنے والے مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی ہے، چنانچہ وہ براہین احمدیہ میں لکھتا ہے:

''لاانتہا کہ حمد اور تعریف اس قادر مطلق کی ذات کے لائق ہے کہ جس نے ساری ارواح اور اجسام بغیر کسی مادہ اور ہیولی کے اپنے ہی حکم اور امر سے پیدا کر کے قدرت عظیمہ کا نمونہ دکھایا اور تمام نفوس قدسیہ انبیاء کو بغیر کسی استاذ اور اتالیق کے آپ ہی تعلیم و تادیب فرما کر اپنے فیوض قدیمہ کا نشان ظاہر فرمایا''۔ (براہین احمدیہ روحانی خزائن ۱/۱۶)

اس معیار کی رو سے جب ہم مذکورہ مدعی نبوت کو جانچتے ہیں تو اس کا دعویٰ نبوت بالکل باطل نظر آتا ہے کیونکہ اس نے اللہ سے تعلیم لینے کے بجائے انسانوں سے تعلیم لی ہے کیا ہی اچھا ہوگا کہ اس کی شہادت خود اس کی زبانی ملاحظہ کر لی جائے۔ کتاب البریہ میں رقمطراز ہے:

''بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لیے نوکر رکھا گیا جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر قریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لیے مقرر کیے گئے جن کا نام فضل احمد تھا...... وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا، ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں''۔

مرزا کا اپنا بیٹا بشیر احمد ایم اے اپنے والد نجار کی انگریزی تعلیم کی بابت لکھتا ہے:

''مولوی الٰہی بخش صاحب کی سعی سے جو چیف محرر مدارس تھے کچہری

...... کے ملازم منشیوں کے لیے ایک [illegible] قائم ہوا کہ [illegible] کچہری کے ملازم انگریزی ......

پڑھا کریں۔ ڈاکٹر امیر شاہ صاحب جو اس وقت اسسٹنٹ سرجن پنشنر ہیں، استاد مقرر ہوئے، مرزا صاحب (چونکہ وہ بھی منشی تھے اس لیے انہوں نے، ناقل) انگریزی شروع کی اور ایک دو کتابیں انگریزی کی پڑھیں''۔ (سیرت المہدی ۱/۱۵۵)

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوگیا کہ مرزاجی نے ایک نہیں متعدد اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ہے، ان حوالوں کے بعد مرزائی نبوت کا ذب کو سمجھنے کے لیے کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں کیونکہ ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے شہادت تیری

دوران ملازمت کی ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ مرزاجی کو منشی گیری میں خاطر خواہ رقم رنگ رلیاں منانے کے لیے دستیاب نہیں ہوتی تھی اس لیے انہوں نے مختاری کے امتحان کی تیاری شروع کردی لیکن ہائے بدقسمتی کہ امتحان میں فیل ہوگئے اور افزونی زر کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

مرزا بشیر احمد ایم اے لکھتا ہے:

''مرزا صاحب ملازمت کو پسند نہیں فرماتے تھے اس واسطے آپ نے مختاری کے امتحان کی تیاری شروع کردی، اور قانونی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، پر امتحان میں کامیاب نہ ہوئے''۔ (سیرت المہدی ۱/۱۵۶)

امتحان میں فیل ہونا شاید یہ بھی مرزائی نبوت کا ایک عظیم الشان معجزہ ہو اور مرزائیوں کے لیے سرمایہ افتخار! لہٰذا مرزائیوں کو امتحان میں فیل ہونے پر رنجیدہ نہیں بلکہ سنت نبوت مرزائیہ کی شرفیابی پر مسرور وشاداں ہونا چاہیے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ انبیاء کا اتالیق خود خالق کائنات ہوتا ہے اور انبیاء کے جو سچے جانشین ہوتے ہیں ان کی تعلیم وتربیت کے لیے بھی اللہ تعالیٰ جلیل القدر ہستیوں اور مرجع شاہ وگدا جیسے حضرات کا انتخاب کرتا ہے لیکن مرزائی نبوت کا یہ ایک عجیب وغریب معجزہ ہے کہ مرزا غلام احمد کی تعلیم کے لیے فضل الٰہی اور گل علی شاہ جیسے نوکر ملے، اور پھر مثل ہے ع

....

بلی تھیلے سے باہر آ گئی

کے بموجب جس انگریز نے نبوت دی اس نے خود کاشتہ نبی کی تعلیم کا انتظام بھی کر دیا کہ دوران ملازمت ہی زبان انگریزی کی جانکاری کے لیے امیر شاہ کو انگریزی زبان کا استاذ مقرر کر دیا تا کہ بوقت ضرورت انگریزی زبان میں بھی وحی نازل کی جا سکے۔ اس موقع پر مناسب ہوگا کہ مرزا جی کے اوپر زبان انگریزی میں نازل ہونے والی وحیوں کے چند نمونے بھی پیش کر دیئے جائیں۔

میں تم سے پیار کرتا ہوں	I LOVE YOU.
یعنی میں کر سکتا ہوں جو چاہوں گا	**I CAN, WHAT I WILL DO.**
ہاں میں خوش ہوں	YES, I AM HAPPY.
میں تمہارے ساتھ ہوں	I AM WITH YOU.

(براہین احمدیہ در روحانی خزائن ۱/۱۷۵ و ۵۷۲)

دنیا میں طریقہ تعلیم یہ جاری ہے کہ شاگرد کو قوت سامعت و بصارت یعنی حسیات کے واسطے سے تعلیم دی جاتی ہے لیکن انبیاء کی تعلیم کا یہ جدا اور منفرد طریقہ ہے کہ تعلیم کا آغاز ان کے قلب سے ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے: انزلہ علی قلبک اللہ نے قرآن کو تیرے دل پر اتارا۔ دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ (۹۷) سورۂ بقرہ۔ تو کہہ دے جو کوئی ہووے دشمن جبریل کا سو اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے۔ (ترجمہ شیخ الہند) ایک دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے: نزل بہ الروح الامین، علی قلبک لتکون من المنذرین (۱۹۳،۱۹۴) لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا (ترجمہ شیخ الہند) سورہ عنکبوت میں فرمایا گیا: وما کنت تتلوا من قبلہ من کتب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون (۴۸) بل ھو آیت بینت فی صدور الذین اوتو العلم، وما یجحد بآیتنا الا الظلمون (۴۹) اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ

سے تب تو البتہ شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے بلکہ یہ قرآن تو آیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کو ملی ہے سمجھ۔ اور منکر نہیں ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

ان آیات نے صاف بتلا دیا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کسی یونیورسٹی میں داخلہ لیا ہوتا یا کسی کتاب کا مطالعہ کیا ہوتا یا کسی استاذ کے پاس بیٹھے ہوتے یا کبھی ہاتھ میں قلم پکڑا ہوتا تو باطل پرستوں کے اس شبہ کو تقویت ملتی کہ انھوں نے اگلی کتابیں پڑھ کر یہ باتیں نوٹ کر لی ہوں گی لیکن سرے سے اس شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی کیونکہ اس شبہ کے محرکات ہی مفقود تھے معلوم ہوا نبی برحق کی صداقت کی یہ ایک دلیل ہے کہ وہ امی ہو اور اس کا علم سینہ ہو سفینہ نہ ہو، الٰہی و ربانی ہو زبانی و کتابی نہ ہو، علم لدنی اور وہبی ہو کسبی اور ریاضتی نہ ہو تا کہ دوسروں کے لیے کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اس تفصیل سے مرزائیت کا سارا بھرم ہی ٹوٹ جاتا ہے اس لیے کہ مرزا کا علم وہبی نہیں کسبی تھا اور چونکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ حکومت انگلشیہ کی طرف سے نبی بنائے گئے تھے اسی لیے ان کا طریقہ تعلیم بھی عام انسانی طریقوں سے جدا نہ تھا وہ دیگر افراد انسانی کی طرح انسان کے ہاتھوں تصنیف کردہ کتابوں سے تحصیل علم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''ان دنوں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہیں تھا میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہئے کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آجائے''۔ (کتاب البریہ)

دوسری جگہ مرزا جی کی سوانح عمری میں یوں لکھا ہے کہ:

''آپ (یعنی مرزا جی) کو خدا تعالیٰ نے کتابوں کے دیکھنے کا اس قدر شوق اور شغل دیا ہوا تھا کہ مطالعہ کے وقت گویا دنیا ہی میں نہ ہوتے تھے آپ کی عادت شروع سے ایسی ہی تھی کہ اکثر مطالعہ ٹہل کر کرتے تھے اور ایسے محو ہو کر کثرت

سے ٹہلتے تھے کہ جس زمین پر ٹہلتے تھے دب دب کر باقی زمین سے متمیز اور بہت نیچی ہو جاتی تھی"۔

(سوانح عمری مرزا جی بحوالہ رئیس قادیان)

قارئین حضرات! انصاف فرمائیں کہ جو شخص فضل الٰہی، فضل احمد، گل علی شاہ اور امیر شاہ متعدد اساتذہ سے تحصیل علم کرے اور نوکر کہہ کر ان کی پوزیشن بھی متعین کر دے اور کثرت مطالعہ کا یہ عالم ہو کہ بکثرت ٹہلنے سے زمین ہی دب جائے کیا اسے دعویٰ نبوت کا کوئی حق ہے؟ کیا اس سے اس شبہ کو تقویت نہیں ملتی کہ مرزا جی دین اور علم کے نام پر جو کچھ پیش کر رہے ہیں وہ قدیم کتابوں کی باتیں ہیں بلکہ راقم سطور شبہ کے ساتھ نہیں حق الیقین کے ساتھ کہہ رہا ہے اور لکھ رہا ہے کہ مرزا جی کی تعلیمات سرقہ ہیں۔ آئندہ کسی مضمون میں اسے بھی مدلل کر دیا جائے گا، انشاء اللہ۔

قرآن وحدیث تو یہ شہادت دیں کہ خدا کے پیغمبر نہ تو لکھنا جانتے تھے اور نہ پڑھنا۔ اور خود مرزا جی اقرار کریں کہ انبیاء کا استاذ اللہ ہوتا ہے پھر بھی دوسری طرف دعویٰ نبوت کے ساتھ یہ کہیں کہ میں نے متعدد اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ہے اور انگریزی آقا کی خوشامد میں پچاس الماریاں کتابیں لکھ ڈالی ہیں، کیا اس وضاحت کے ہوتے ہوئے مرزائیت کے باطل ہونے میں کسی کو شبہ رہ سکتا ہے؟ کیا ہے کوئی بہادر مرزائی! جو مرزائیت کے بطلان کا اعلان کر کے محمد عربی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عافیت میں پناہ لے لے؟ الیس منکم رجل رشید۔

عافیت چاہو تو آؤ دامن اسلام میں
یہ وہ دریا ہے کہ جس میں ڈوبتا کوئی نہیں

اندر کے لوگ

نقیب الرحمٰن لدھیانوی

جب سے دنیا قائم ہے، رب ذوالجلال نے اس کے امتحانی نظام کو تا قیامت رکھنے کیلئے خیر وشر کی تخلیق فرمائی ہے، اور ساتھ ہی اس کے عواقب سے آشنائی کرادی ہے۔ فالہمہا فجورہا وتقوٰہا۔ اور اس کے اظہار کا مرکز انسان ہی کو بنادیا، انسانوں ہی میں ایک ایسا طبقہ ظاہر ہوا جو خیر وشر دونوں کے لحاظ سے اپنی ذات کیلئے سوچنے تک ہی محدود رہا، جس نے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کبھی بھی خیر کو خیر اور شر کو شر نہ سمجھا، جہاں سے مفاد ملا وہاں کا ہوگیا، اس طبقہ کے لوگوں کو قرآن پاک نے ”منافق“ کا لقب دیا ہے، اقوام عالم میں جب بھی کسی ملک قوم یا جماعت کو نقصان پہنچا اس میں اس طبقہ کا کردار ہمیشہ نمایاں رہا، اس لئے راقم کے نزدیک اس طبقہ کو ”اندر کے لوگ“ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا، آج کی اصطلاح میں انہیں ”ایجنسیاں“ بھی کہا جاتا ہے، ابتدائے اسلام میں کفار مکہ سمیت دیگر دشمنان اسلام کے ایما پر اس طبقے نے مسلمانوں کی زندگی اجیرن بنائے رکھی، شاید اس لئے جہنم میں بھی یہ نچلے ”اندر“ میں رہیں گے، اسی لئے ذات باری تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان ”اندر کے لوگوں“ سے ہمیشہ ہوشیار رہنے کی تاکید فرمائی، کیونکہ یہ موقع محل کے مطابق ایسا خفیہ وار کرتے ہیں، کہ پتہ اس وقت چلتا ہے جب پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔

راقم نے یہ تمہید اس لئے باندھی ہے کہ برصغیر پاک وہند بشمول افغانستان میں تحریک سید احمد شہید سے تحریک نفاذ شریعت تک جتنی بھی تحریکیں چلی ہیں ان میں مشکلات یا ناکامی کا سہرا ہمیشہ ان ”اندر کے لوگوں“ کے سر سجا، ان اندر کے لوگوں نے مسلمانوں کی اجتماعیت پر ایسی کاری ضربیں لگائیں جن سے پرخلوص محنتوں پر پانی پھرتا رہا۔

* * *

اس سلسلے میں ہم پہلے افغانستان میں ماضی قریب میں قائم ہونے والی حکومت اسلامیہ کو دیکھتے ہیں، کہ ان اندر کے لوگوں نے اسے ناکام بنانے کے لئے کیا کیا چالیں چلیں، راقم کی نظر میں منہاج خلافت پر قائم ہونے والی اس حکومت کے مندرجہ ذیل کارہائے نمایاں نے امریکہ سمیت پوری یورپی تہذیب کو ششدر کر کے رکھ دیا۔

(۱) پر امن طریقے سے پوست کی کاشت کا مکمل خاتمہ (۲) ڈنڈے کے بغیر نظام امن کا قیام (۳) نظام عدل کا بے لاگ نفاذ (۴) ان سب سے بڑھ کر امیر المومنین حضرت ملا عمر کے ایک حکم پر صدیوں سے زیر الحمد سے آراستہ بت کا غیر مسلح ہو جانا، جسے دیکھ کر ساری دنیا حیرت زدہ ہو گئی۔

یاد رہے جہاں امریکہ و یورپ کو یہ بے سر و سامان فلاحی مملکت کھٹکتی تھی وہاں چین سمیت امریکی فرعونیت مخالف ممالک اس حکومت سے نہ صرف اپنے تعلقات بہتر بنانے میں مصروف تھے بلکہ افغانستان کی ترقی کے لئے باہمی معاہدات بھی ہونے لگے تھے، جو مغربی استعمار کو ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے، تو "اندر کے لوگوں" کے ذریعے ایک بھیانک چال چلی وہ ہے "بدھا" کے مجسمے کی تباہی۔ یاد ہونا چاہیے کہ اسلام آنے سے پہلے افغانستان میں زیادہ تر بدھ مت ہی آباد تھے، نیز افغانستان سے لے کر شمال مشرق بعید تک ایک طویل خطہ بدھ مت کے پیروکاروں کا تھا، جن میں چین جاپان کوریا اور سری لنکا وغیرہ شامل ہیں، امریکہ اور یورپ اسلامی امارات کو ختم کرنے کی سازشیں تو کر ہی رہے تھے مگر اس سازش پر عمل درآمد کے سلسلے میں اس بات کا خطرہ محسوس کرتے تھے کہ مشرق میں امریکہ کا سب سے بڑا حریف "چین" کہیں افغان حکومت کا حلیف بن کر اس کے ناپاک ارادوں کو خاک میں نہ ملا دے تو "اندر کے لوگوں" ذریعے بدھا کے مجسمے کو تباہ کر کے چین سمیت بدھ مت کے پیروکار تمام ممالک کو دشمن بنایا جائے تاکہ امارات اسلامی کو تباہ کرتے وقت کوئی طاقت و ملک مزاحم نہ ہو، چنانچہ ان سادہ لوح لوگوں کو "اندر کے لوگوں" نے ایسا پچھاڑ دیا جو بالآخر ۹/۱۱ کے بہانے افغان اسلامی حکومت کے خاتمے کا ذریعہ بنا، اور چین امریکہ کا حریف بننے کی بجائے حلیف بن گیا (مفتوح ممالک کی عبادت

گاہوں کے بارے میں افواج اسلامی کو خلفائے راشدین کی ہدایات اور حضرت فاروق اعظمؓ کے بیت المقدس کے متعلق عیسائی کلیسا میں ان کی خواہش کے باوجود نماز پڑھنے سے انکار اور اس پر فرمائے گئے ارشاد کا مطالعہ کر لیا جائے)

اسی طرح لال مسجد کی نفاذ شریعت کی پرامن تحریک جس کے راہنماؤں سے اطراف کے لوگ اپنے فیصلے کروانے کے لئے آنے لگے تو ''اندر کے لوگوں'' نے ایک ماتک کو جبری طور پر دین دار بنانے کی کوشش اور اس پر مستزاد چینی لڑکیوں کو مدرسے میں لے جانے کی ''سعی جمیل'' کے ذریعے سبوتاژ کر دیا جو ضرورت کے لئے ظلم کا بہانہ بن گیا۔

مزید برآں مالاکنڈ ڈویژن میں ۱۹۹۴ء سے جاری پرامن تحریک نفاذ شریعت کو پارلیمنٹ کے ذریعے معاہدہ امن اور نظام عدل کے نفاذ کی دستاویزات کی سیاہی خشک ہونے سے پہلے ''اندر کے لوگوں'' نے صوفی محمد صاحب کے غیر ذمہ دارانہ بیانات کے ذریعے اس معاہدے کو سبوتاژ کرنے کیلئے اپنا کام کر دکھایا، اگر عجلت سے کام نہ لیا جاتا اور سالوں سے چلی اس مبارک تحریک کو چند ہفتوں تک انتظار سے گزار لیا جاتا تاکہ دین بیزار لوگوں کی اصلیت بھی ظاہر ہو جاتی اور ''اندر کے لوگوں'' کو تحریک ناکام بنانے کا موقع نہ ملتا اور ملک جہنم زار نہ بنتا، اور لاکھوں ہم وطن اپنے ہی وطن میں بے وطن نہ ہوتے۔ اے بسا آرزو کہ خاک شد۔ راقم کے خیال میں مندرجہ بالا تحریکات میں کئے گئے تسامحات (وضع الشئی فی غیر محلہ ظلم) کے زمرہ میں آتے ہیں، جسے پنجابی کہاوت میں (کڑی دا کھنجیا سو کو دیا) کہا جاتا ہے۔ آخر میں گذارش ہے تمام تحریکوں کو اور تنظیموں کو اس نازک وقت میں اپنے اندر گھسے ہوئے ''اندر کے لوگوں'' سے ہوشیار رہنا چاہیے، جو اغیار کے ایماء پر فرقہ وارانہ فساد کے ذریعے ملکی یکجہتی کو پارہ پارہ کر کے اس کی بنیادیں ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ذات باری سے دعا ہے کہ ''اندر کے لوگوں'' (ا،ی،ج،ن،س،ی،و،ں) سے ملت اسلامیہ کو محفوظ فرمائے۔

....

نامے میرے نام

جامعہ مدینۃ العلوم خیبر بازار، پشاور شہر...... 08-07-2009

محترم ومکرم حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

سلام کے بعد عرض یہ ہے کہ مزاج گرامی خیر وعافیت سے ہونگے۔
اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی سربلندی کے لیے صحت وعافیت، عمر دراز اور نیک عمل نصیب فرمائیں۔

دیگر احوال یہ کہ آپ کا رسالہ "ماہنامہ ملیہ" ہم کو باقاعدگی کے ساتھ پہنچتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم آپ کے مدیر اور جملہ اراکین رسالہ کے انتہائی مشکور ہیں۔

الحمد للہ تمہارا رسالہ ہر لحاظ سے خوبصورت ہے۔ دلنشین اور پرکشش مضامین اس میں شائع ہوتے ہیں۔ اور خاص طور پر "کلمۃ الحبیب" انتہائی دلکش عنوان ہے۔ جس کے پڑھنے سے دل کو سکون اور طمینان نصیب ہوتا ہے۔ اللہ آپ کو اور "رسالہ ملیہ" کے تمام عملہ کو اس کار خیر کی مزید ترقی عطا فرماویں۔

اور اللہ تمہارے قلمی جہاد اور یہی کوشش تمام امت کے لیے مفید بنائے۔ اور ہم کو بھی اللہ نیک
کام کی توفیق عطا فرماویں۔ (الغرض ہم آپ کے نہایت شکرگزار رہیں)۔

والسلام۔

ازطرف، سید محمد ساجد شاہ وانیس اللہ حنیف۔
خادمین جامعہ مدینۃ العلوم خیبر بازار، پشاور شہر

مسلمانوں! ہوشیار رہو، اپنا ایمان بچاؤ

کچھ عرصہ سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ نا سمجھ افراد یورپی ممالک میں جا کر سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو قادیانی ظاہر کر کے وہاں کے محکموں میں بیان حلفی داخل کراتے ہیں۔اس کے پیچھے قادیانی لابی متحرک ہے۔اس پر ہمیں کئی دفع لوگوں نے سوالات بھیجے ہیں

(۱)۔کیا ایسا شخص مسلمان رہ جاتا ہے؟

(۲)۔کیا ایسے شخص کے ساتھ کسی مسلمان لڑکی کا نکاح کیا جا سکتا ہے؟

(۳) اگر ایسا شخص پہلے سے شادی شدہ ہے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہی یا نہیں، وہ اب کیا کرے؟

(۴)۔کیا ایسے شخص کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، اگر ہو سکتی ہے تو اس کی کیا شکل ہے؟

جواب

(۱)۔امت مسلمہ اور پاکستان اسمبلی کے متفقہ فیصلے کے مطابق قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں۔ان پر وہی احکام لاگو ہوتے ہیں جو کہ دوسرے تمام غیر مسلم لوگوں پر ہوتے ہیں۔لہذا اگر کوئی شخص جناب محمد ﷺ کی ختم نبوت کا اقرار کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو غیر کے سامنے قادیانی ظاہر کرتا ہے تو ایک طرح سے علی الاعلان وہ عقیدہ ختم نبوت کا منکر ہے، وہ شخص نہ صرف دائرہ اسلام سے خارج ہے بلکہ مرتد بھی ہے۔

(۲)۔کسی بھی غیر مسلم اور خصوصاً مرتد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص شادی کے بعد قادیانی ہو گیا تو اس کی بیوی کا نکاح بروئے شریعت باقی نہیں رہا۔وہ عورت اس مرتد سے طلاق لیے بغیر عدت پوری کر کے دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔

(۴) ایسے شخص کی توبہ عام طریقہ سے قبول نہیں۔اس کی توبہ صرف اس شکل میں قبول ہو سکتی ہے کہ وہ اسی محکمہ میں جائے جس میں اس نے پہلے اپنے آپ کو قادیانی بنا کر پیش کیا تھا۔یہ کہے کہ میں نے آپ کے محکمے سے یہ جھوٹ بولا تھا کہ میں قادیانی ہوں۔اب میں وضاحت کرتا ہوں کہ میں قادیانی نہیں ہوں۔اس کے بعد وہ توبہ کرے۔اس کے بغیر توبہ قبول نہیں۔کیونکہ قادیانی ہر سال اسی قسم کے محکموں سے لوگوں کے قادیانی ہونے کی تصدیق کروا کر دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے اپنی رپورٹ شائع کرتے ہیں کہ دیکھو اس سال اتنے لوگ قادیانی ہو گئے ہیں۔

منجانب۔ ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی، فیصل آباد
مولانا حاجی اکرم شاد ، نیو یارک (امریکہ)

MONTHLY MAGAZINE **Millia** FAISALABAD PAKISTAN
JAMIA MILLIA ISLAMIA
Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@hotmail.com Fax # 041-8724335

تعارف

جامعہ ملیہ اسلامیہ

بفیض: حضرت سید انور حسین نفیس شاہ صاحب

خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری

- جامعہ ہذا حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ نے قیام پاکستان کے بعد قائم کیا۔
- قیام پاکستان سے پہلے یہ جامعہ ہندوستان کے صوبہ مشرقی پنجاب کے شہر لدھیانہ میں مدرسہ اللہ والا اور بعد میں مدرسہ انوریہ کے نام سے دینی علوم کی ترویج کا کام سرانجام دیتا رہا ہے۔
- جامعہ ہذا میں طلبا و طالبات کے لئے علوم دینیہ کی تعلیم کا مکمل انتظام ہے۔
- جامعہ ہذا میں وفاق المدارس کے نصاب کے ساتھ بی اے تک تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔
- جامعہ ہذا میں بیرونی طلباء بھی قیام پذیر ہیں ان کے قیام و طعام جملہ اخراجات کا جامعہ کفیل ہے۔

جامعہ کے شعبہ جات

برائے طلباء — درجہ کتب
عامہ، خاصہ، عالیہ اور دورہ حدیث شریف

برائے طالبات — درجہ کتب
وفاق المدارس کے نصاب کے ساتھ بی اے تک تعلیم

درجہ حفظ
4 سالہ نصاب میں حفظ کے ساتھ پرائمری تک تیاری

انگلش لینگویج، عربی لینگویج اور کمپیوٹر کی تعلیم کا خاص اہتمام

جامعہ ہذا کی تعمیرات کا کام ابھی کافی باقی ہے یہ کام اہل اسلام کے مالی تعاون سے ہی پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔

- جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی جامعہ گورنمنٹ سے کوئی امداد لے رہا ہے۔
- جامعہ ہذا کے اخراجات اہل اسلام ہی پورے کرتے ہیں لہٰذا زکوٰۃ، خیرات، عطیات، صدقات اور چرمہائے قربانی سے جامعہ کی سرپرستی فرمائیں۔

زیر انتظام
مجلس منتظمہ مسجد مدرسہ والی محلہ خالصہ کالج، فیصل آباد

ترسیل زر اور رابطے کیلئے
مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مہتمم جامعہ ملیہ اسلامیہ محلہ خالصہ کالج، فیصل آباد
041-8711569